

भारत की लोक कथाएँ
 196
 بھارت کی لوک کہانیاں

196

उद्गू संग्रह

पुस्तक का नाम... भारत की लोक कहानियाँ

लेखक... मेजर पाठक के शिल्प दिवस

प्रकाशन वर्ष - 1957

आमत संख्या - 196

पब्लिशर्स डूथरन

92

90

पुस्तकालय, गुरुकुल कांगड़ी विश्वविद्यालय

पुस्तक संख्या $\frac{93}{70}$

पंजिका संख्या ३२३३७

पुस्तक पर सर्व प्रकार की निशानियाँ लगाना
वर्जित है। कोई सज्जन पन्द्रह दिन से अधिक समय
तक पुस्तक अपने पास नहीं रख सकते।

196

196

उर्दू संग्रह

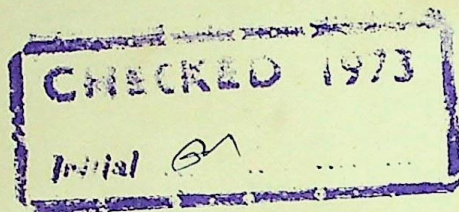
पुस्तक का नाम भारत की लोक कथाएँ

लेखक पाब्लो फेरेरस दिल्ली

प्रकाशन वर्ष... 1957...

भाग संख्या ... 196 ...

196



प्रमाणिकरण ११-४-११-४

[Handwritten signature]

196

بھارت کی لوک کہانیاں



196.U



پبلیکیشنز ڈویژن
مطری آف انٹارنیشنل اینڈ برادر کاسٹنگ
گورنمنٹ آف انڈیا

جولائی ۱۹۵۷ء

قیمت ایک روپیہ

(ایسٹرن پرنٹنگ پریس دہلی)



196.U

فہرست

۷	مبارک علی	دیباچہ	تنگلی کی پیادیش
۱۴	ساوتری دیوی ورما	جلاہ اور قسمت کا دیوتا	(بہار)
۲۵	رام چندر شرما	انسان کی بیٹی	(بھج)
۳۱	من مٹھ ناتھ گپت	کلاوتی	(بنگال)
۵۷	پنشی رانی گروٹ	کاٹھ کا گھوڑا	(گوات)
۶۹	چندر کن سون رکسا	لکشمی کا شیر باد	(مارواڑ)
۷۵	دیریندر گوپال	بیل کماری	(دندھپوریش)
۸۵	فلورینش	دیوتا کا دان	(بندیل کھنڈ)
۹۶	ساوتری دیوی ورما	ناگا اور شیر	(ناکا پریش)
۱۰۵	بھیشم ساہنی	انوکھی ہڈی	(دہلی)
۱۱۷	یدھشکر	کم چکر	(دھیمہ بھار)
۱۲۰	بھگوان چندر گپت	پھولوں کی بیج	(دہلی)
۱۳۰	اکتے چندر شرما	ٹمک ٹوں	(راجستان)
۱۳۵	شونیہ نامہ	سنگتہ کی راجکماری	(اتر پردیش)

۱۴۳	من منہ ناتھ گیت	(ترائی)	تین بھائی
۱۵۶	نند لال خست	(کشیر)	لوہا کی لڑکی
۱۶۶	شانی گیتا	(ایک لوک، بھائی پیمپی)	ادھرا
۱۷۴	ہنس راج رہیر	(پنجاب)	دیر لہجی
۱۸۲	ٹی، این، ایس سیٹا لامن	(تامل ناڈو)	گرم جاسن
۱۸۸	رام پتاپ ترپامٹی	(ایک پانی وک بھائی)	ستیا کام
۱۹۵	پوچھ لا دشنو	(آندھرا)	بارہ سترن والا ناگ
۱۰۲	کماری اڑلا	(اودھ)	خدمت کا انعام

دیا چہ

بھارت لوک کہانیوں کا خزانہ ہے۔ ہمارے دیس میں آریہ اور قدیم باشندوں کے آپس کے تمدنی تعلقات کے سبب ملی جلی صورت میں کہانیوں کا ایک جال سا بچھا ہوا ہے۔ شمالی بھارت میں جن کہانیوں کا رواج ہے وہی ہمیں جنوبی بھارت، کشمیر یا پنجاب میں بھی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ سننے کو ملیں گی۔ ایسی حالت میں یہ کہنا مشکل ہے کہ کسی خاص کہانی کا آغاز کس ریاست سے ہوا۔ فقط اس کی بنیادی باتیں یا عام لوگوں کی زندگی کی چھاپ ہی اُس کے آغاز کی جگہ کا فیصلہ کرنے میں مدد دیتی ہے۔ اس بارے میں ایک عالم کا کہنا ہے کہ دنیا میں سب جان دار اور بے جان چیزیں جس طرح نوے کے لگ بھگ بنیادی عنفروں کو لے کر بنی ہیں۔ اُسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ تھوڑے سے بنیادی پلاٹ اور گٹن ہیں جن کے آپس کے میل جول سے ہماری تمام لوک کہانیاں بنی ہیں اور ہمیشہ بنتی رہیں گی۔

ان لوک کہانیوں سے بھارت کا دامن بھر پور ہے۔ بیچ کے زمانے کی بے شمار لوک کہانیوں کا سفر کرتا پورا کرتا، پالی، اپ بھرنش اور صوبائی زبانوں میں جھنڈا بھرا ہوا ہے۔ یہ کہانیاں پرانی ہوتی ہوئی بھی نئی ہیں۔ ان میں عوام کی سماجی زندگی اور ان کے کام کی تاریخ سمائی ہوئی ہے۔ رفتہ رفتہ عام لوگوں کے دلوں پر ان کہانیوں کی نئی تہ جمتی چلی گئی اور وہی پرانی کہانیاں نئی صورت اختیار کر کے نئے سماج کی چھاپ لے کر پھر نئے روپ میں ظاہر ہوئیں۔ پرانے قصے خوانوں میں ہماری مافی، دادی اور بوڑھے بزرگوں نے اُنھیں سنبھال کر رکھے اور پختہ کرنے میں پوری مدد دی۔

انیسویں صدی میں مغربی عالم ہما بھارت، جاتک، پنج تنتر، جین کہانیوں اور کہتا،

سرت ساگر کا مطالعہ کر کے تعجب میں پڑ گئے اور ان کی یہ رائے تھی کہ بھارت کی یہ پُرانی کہانیاں دُنیا بھر کی کہانیوں کا سرچشمہ ہیں۔

مشرقی و اسیویویشن اگر وال کے لفظوں میں لوک کہانیاں مختلف صورتوں میں عوام کی زندگی کی چھاپ لے ہوئے ہیں۔ شروع ہی سے وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ دیس میں ہر جگہ ان کی پوری قدر ہے۔ انسان کے سکھ دکھ، پیار، دشمنان، بہادری، دوستی اور دشمنی ان سب نے مل کر لوک کہانیوں کو جنم دیا ہے۔ دھن سہن، رسم و رواج، مذہبی عقیدے، پوجا پاٹ، ان سب سے کہانی کا ٹھکانہ بنتا اور بدلتا رہتا ہے۔ کہانی انسان کے لئے انوکھی تفریح کا ذریعہ ہے۔ دماغی تھکاوٹ کو دور کرنے کے لئے کہانی انسانی سماج کے لئے پُرانی اکیڑ ہے۔ آج بھی اس کے فائدے اور اس کی دل چسپی میں فرق نہیں پڑے دیکھا جائے تو لوک کہانیاں ہی ادبی کہانیوں کی ماں ہیں۔ صدیوں سے یہ کہانیاں انسانوں کا دل بہلاتی آرہی ہیں۔ انسان کے دل میں بچپن کا جو جذبہ ہے اُسے کہانی پڑھنے یا سننے سے تسکین ملتی ہے۔ اُمید ہے کہ یہ کتاب بھی اپنے اس مقصد کو پورا کرنے میں کامیاب رہے گی۔

مبارک علی

مدھیہ پریش کی لوک کہانی

تسکلی کی پیدائش

سورگ میں ایک دیوی رہتی تھی۔ اس کا نام پھر کی تھا۔ وہ بُنائی کا کام اتنی ہوشیاری سے کرتی تھی کہ کچھ نہ پوچھے جس وقت ہاتھ میں تیلیاں لے کر بٹھیتی تھی بات کی بات میں بڑھیا سے بڑھیا سوئٹ، بنیان، منظر وغیرہ بن کر رکھ دیتی تھی۔ اس لئے دور دور تک اس کی تعریف ہو رہی تھی۔ پھر کی کی شہرت ہوتے ہوتے رانی کے کانوں تک پہنچی۔ وہ اپنی تمام بیٹیوں کو بُنائی کا کام سکھانا چاہتی تھی اور بہت دن سے ایک ایسی ہی ہوشیار دیوی کی تلاش میں تھی۔ اُس نے اپنی ہسیلیوں سے کہا — ”سنتی ہوں پھر کی بہت ہوشیاری سے بُنائی کا کام کرتی ہے۔ اہو

تو اُسے بلوا لوں - وہ یہیں رہے گی اور راجکارہوں کو بُنائی
سلانی سکھلایا کرے گی۔"

ایک سہیلی کچھ سوچ کر بولی۔ "اس بات کا کیا بھرو
کہ سلانی بُنائی کے کام میں اکیلی پھر کی ہی سب دیویوں سے
زیادہ ہوتیار ہے۔ میری بات مانئے ایک جلسہ کر ڈالیئے۔ جس
میں سلانی بُنائی کا کام جاننے والی سب دیویاں آئیں
اور اپنا اپنا ہنر دکھائیں۔ جو سب سے بازی لے جائے
وہی پہلا انعام پائے اور ہماری راجکارہی کو بھی ہنر
سکھائے۔"

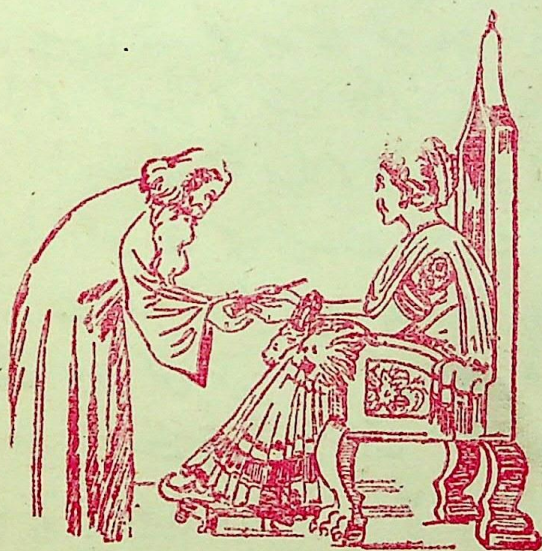
رانی کو یہ صلاح بہت پسند آئی۔ اُس نے فوراً جلسہ
بلانے کا فیصلہ کر لیا اور اُسی دن سارے سوگ میں
منادی کروا دی۔ ٹھیک وقت پر جلسے میں سلانی بُنائی کا
کام جاننے والی سینکڑوں دیویاں آ پہنچیں اور بگلیں لپٹے
ہاتھوں کی صفائی دکھانے۔ آخر پھر کی بازی لے گئی۔ رانی
نے سہیلیوں کی صلاح سے اُسے ہی پہلا انعام دیا۔ پھر
اس سے کہا۔ "بس اب تمہیں یہاں دکان بٹھانے کی ضرورت
نہیں۔ آج سے تم میری سہیلی ہوئیں۔ مردے سے یہیں نہ
اور راجکارہی کو بُنائی سلانی سکھایا کرو، سمجھیں؟"
اس طرح پھر کی قسمت جاگ اُٹھی۔ وہ رانی کے

پاس رہنے لگی۔ راجکماریاں ہر روز تیلیاں، سوت، کپڑا، تینچنی، سوئی
دھاکا دیگرہ لے کر اس کے پاس جا بیٹھتیں اور وہ انہیں بڑی
محنت سے سلائی بنائی کا کام سکھایا کرتی۔ رانی اس کا کام
دیکھتی تو بہت خوش ہوتی اور اسے ہمیشہ انعامات سے نوازا
کرتی

رفتہ رفتہ پھر کی مالا مال ہو گئی۔ وہ سوچنے لگی۔ ”رانی کی
ہریانی ہے ہی۔ ماں کی بھی کوئی نمی نہیں رہی ہے۔ سلائی بنائی کا
کام بھی میں سب سے اچھا جانتی ہوں۔ اب سوگ میں ایسی
کون سی دیوی ہے جو میرا مقابلہ کر سکے۔“ بس اس کا غرور
جاگ اُٹھا اور پھر کی کا سر پھر گیا۔ وہ اب اور تو اور رانی
کی ہسیلیوں سے بھی سیدھے منہ بات نہ کرتی۔ پھر کی کا یہ سلوک
رانی کی ہسیلیوں کو بہت ناگوار گزرا۔ ایک دن انہوں نے رانی
سے شکایت کی۔ ”پھر کی کو تو آپ نے خوب سر پڑھایا ہے۔ اب
تو وہ کسی سے بھی سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔ جب دیکھو
غرور سے منہ پھلائے رہتی ہے۔ آپ ہی بتائیں وہ اب ہمارے
سوگ میں کس طرح رہ سکتی ہے۔“

یہ سنتے ہی رانی آگ بگولا ہو گئی۔ بولی۔ ”ایں کہتی
کیا ہو؟ پھر کی غرور کرنے لگی ہے۔ پھر تو وہ دیوی ہی نہیں
رہی۔ اور جو دیوی نہیں ہے وہ سوگ میں کب رہ سکتی ہے

ہیں ابھی اسے سزا دوں گی۔ ذرا اسے پکڑ تو لاؤ میرے سامنے۔
 فوراً دو تین دیوہاں دوڑی دوڑی گئیں اور پھر کی کو
 پکڑ لائیں۔ رانی نے اُس پر غصے کی نگاہ ڈالی اور کہا۔ ”کیوں
 رہی رہ پھر کی۔ یہ میں کیا سُن رہی ہوں؟ تو غرور کرنے لگی ہے؟
 جانتی ہے غرور کرنے والے کو کیا سزا ملتی ہے؟ غرور کرنے والا فوراً
 سورگ سے باہر نکالی دیا جاتا ہے اور تو اور غرور کرنے پر تو
 میں بھی سورگ میں نہیں رہ سکتی۔ یہاں کا قانون یہی ہے۔“
 پھر کی ہنسنے لگی۔ ”اب تو غلطی ہو گئی شریفی جی! میں
 اس بار مجھے معاف کر دیجئے۔ پھر کبھی ایسی غلطی کروں تو آپ
 کی جوتی اور میرا سر۔“



فیقر نے پوچھا۔ اس کا کیا ہوگا دیوی؟ یہ تو ایک بہت چھوٹی چیز ہے۔

رانی نے کہا۔ ”تیرے
 لئے قانون نہیں توڑا جا
 سکتا۔ تجھے غرور سزا
 ملے گی اور سورگ چھوڑ
 کر زمین پر جانا ہی پڑے
 گا۔ مَن میں اتنی مہربانی
 کر سکتی ہوں کہ تو جو
 شکل چاہے اسی شکل میں
 تجھے زمین پر بھیج دوں۔“

بول تیری خواہش وہاں کس شکل میں جانے کی ہے۔ " اسی وقت وہاں اچانک ایک فقیر آ پہنچا۔ وہ کپڑوں کی بجائے چٹے پتے پہنے ہوئے تھا۔ اُسے دیکھ کر سب دیویوں کو بہت تعجب ہوا۔ رانی نے اُس سے پوچھا۔ "آپ کون ہیں؟ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ صورت تو آپ نے بہت عجیب بنا رکھی ہے۔ ہم نے تو آج تک ایسی عجیب و غریب صورت دیکھی ہی نہیں۔" فقیر نے جواب دیا۔ "میں ایک معمولی انسان ہوں۔

زمین کا رہنے والا ہوں۔"

رانی نے کہا۔ "اچھا آپ انسان ہیں۔ زمین کے رہنے والے ہیں۔ انسان غرور کے پتے ہوتے ہیں۔ وہ کبھی سوگ میں نہیں آ سکتے۔ بھلا آپ کس طرح یہاں آ پہنچے؟" فقیر بولا۔ "میں نے غرور چھوڑ کر بہت دنوں تک تپ کیا ہے۔ اپنی ساری زندگی اپنے ہم وطنوں کی خدمت ہی میں بسر کی ہے۔ اسی لئے میں یہاں آ سکا ہوں۔" رانی نے خوش ہو کر کہا۔ "پھر تو آپ بھلے آدمی ہیں۔ آپ سے مل کر مجھے بہت ہی خوشی ہوئی۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بلا تامل کیجئے۔"

فقیر بولا۔ "دیوی زمین پر رہنے والے انسان بہت دکھی ہیں۔ کپڑے پہننا بھی نہیں جانتے۔ وہ بے چارے اپنے

جسم پر پنج پیٹ پیٹ کر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ آپ
 ہرمانی کر کے کوئی ایسی چیز دیجئے جس کے ذریعے سے وہ
 سوت کات سکیں۔ رائی تو زمین پر بہت ہوتی ہے۔ جہاں لوگوں
 نے اس کا سوت نکال لیا وہاں کپڑے تیار ہوئے ہی سمجھئے۔
 رائی نے کہا۔ ”اچھا اچھا آپ تشریف تو رکھیے۔
 بھگوان نے چاہا تو میں ابھی آپ کی خواہش پوری کئے دیتی
 ہوں۔“ اس کے بعد اُس نے پھر کی سے پھر وہی سوال کیا۔
 ”اے پھر تو کس شکل میں زمین پر جانا چاہتی ہے؟“

پھر کی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر جواب دیا۔ ”شرمیلی
 ہی! میں تو وہاں کسی بھی شکل میں نہیں جانا چاہتی۔ اگر
 آپ مجھے وہاں بھیجنا ہی چاہتی ہیں تو ایسی شکل میں بھیجئے۔
 جس سے میں سب انسانوں کی خدمت کر سکوں، ان کا دل بہلا
 سکوں اور اُن سے عزت بھی پا سکوں۔“

رائی مسکرا کر بولی۔ ”میں مانتی ہوں پھر کی تو پرج بہت
 ہوشیار ہے۔ تو نے ایک ساتھ تین ایسی بڑی بڑی باتیں
 مانگی ہیں جن سے تو زمین پر بھی ہمیشہ دیوی بن کر رہی
 خیر کوئی بات نہیں۔ میں تجھے ابھی ایسی شکل دیتی ہوں
 جس سے تیری خواہش پوری ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ
 رہے گی۔“ یہ کہہ کر رائی نے چٹو میں تھوڑا سا پانی لیا

اور کچھ منتر پڑھ کر پھر کی پر چھڑک دیا۔ پھر کیا تھا۔ پھر کی فوراً تنکی بن کر کھٹ سے گر پڑی۔ رانی نے جھپٹ کر وہ تنکی اٹھا لی اور فقیر کو دے دی۔ فقیر نے تنکی لیتے ہوئے پوچھا۔ ”اس کا کیا ہوگا دیوی؟ یہ تو بہت چھوٹی چیز ہے۔“ رانی نے جواب دیا۔ ”چیز چھوٹی تو ضرور ہے۔ لیکن اس سے لوگوں کا بہت بڑا کام نکلے گا۔ اس کے ذریعے سے ان کو سوت ملے گا جس سے کپڑے بن جائیں گے۔ بچوں کو یہ کھلونے کا کام دے گی اور فرصت کے وقت سیانوں کا دل بہلایا کرے گی۔ وہ چاہیں گے تو آپس میں کھیلتے کھیلتے یا گپ شپ کرتے ہوئے بھی اس کے ذریعے سوت نکالتے رہیں گے بس لے جائیے۔۔۔۔۔“

کہتے ہیں اسی تنکی سے انسان نے کاتنا بیکھا اور تنکی کی ترقی کے ساتھ ہی تہذیب کی ترقی ہوئی۔





رات کو خواب میں اسے دو شخص دکھائی دئے۔ ان میں سے ایک تھا کرم (مل کا دیوتا) اور دوسرا تھا بھائی (قسمت کا دیوتا)

بھائی کی ایک لوگ کہانی

ساوتری پولوی ورما

جُلاہ اور قسمت کا دیوتا

کسی شہر میں ایک جُلاہ رہتا تھا۔ وہ اپنے کام میں بہت ماہر تھا۔ رنگ رنگ کے دھاگوں میں سنہری اور روپہلی تار

ملا کر وہ ایسے خوبصورت بیل بوٹے بناتا کہ جو کوئی بھی اس کا بُنا ہوا کپڑا دیکھتا دنگ رہ جاتا۔ مگر اُن بڑھیا او بھنگے کپڑوں کو صرف راجے ہمارے ہی خرید سکتے تھے۔ اس وجہ سے اس کی بکری زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ اُسے ہمیشہ پیسے کی کمی رہا کرتی تھی۔ پھر بھی جوں توں کر کے اُس کا گواہ چل ہی جایا کرتا تھا۔

ایک دن وہ اپنی بیوی سے بولا۔ ”جلاہن! دیکھو ہمارے پرہوسی بھائی صرف گاڑھا کھد کھنتے ہیں۔ یہ لوگ کام میں بھی اتنے ہوشیار نہیں ہیں۔ پھر بھی ان کی آمدنی مجھ سے چوگنی ہے۔ اس گاؤں میں کوئی میرے گنوں کا گاہک ہی نہیں ہے۔ اس لئے میں تو پردیس میں جا کر اپنی قسمت آزمانے کی سوچ رہا ہوں۔ شیر بھوکوں مر جاتا ہے مگر چارہ نہیں کھاتا۔ میں ایک کاریگر جلاہا ہو کر عام جلاہوں کی طرح موٹا جھوٹا کپڑا تو بچنے سے رہا۔“ جلاہن بولی ”دیکھو جی میری بات سنو۔ پردیس جا کر بھی کچھ نہیں ہے گا۔ جب اپنے دن اچھے آئیں گے تو کام بنتے دیر نہیں لگے گی۔“

جلاہا بولا۔ ”تو نکمے پن کی باتیں کرتی ہے بلینر محنت کے تو کوئی پھل نہیں لٹا۔ کھانے سے بھری ہوئی

تھائی چاہے سامنے دھری رہے جب تک کوئی اقمہ ہاتھ سے اٹھا کر منہ میں نہیں ڈالے گا خولاک پیٹ میں نہ جائیگی کبھی تو نے آج تک منہ بھی ہے کہ سرتے بثر کے منہ میں ہری خود چلا گیا ہو : میری رائے میں تو ہر انسانی کو کوشش کرنی چاہیئے ۔ محنت کرنے پر بھی اگر پھل نہ ملے تو اس میں اُس انسانی کا قصور نہیں قصور وار قسمت ہے ۔

اس طرح اپنی بیوی کو سمجھا بھجا کر وہ جلا لیا ایک بڑے شہر میں دولت کمانے کی غرض سے آیا ۔ وہاں آکر اس کا کاروبار تھوڑے ہی دنوں میں چمک اٹھا ۔ اُس کے بنائے ہوئے کپڑوں کی سیٹھ ساہوکاروں اور راجوں ہماراجوں میں خوب کھیت ہوئی ۔ منہ مانگی قیمت پا کر اس نے اپنا روزگار وہاں اچھا جما لیا ۔

اس طرح تین برس تک اُس شہر میں رہ کر اُس نے سونے کی تین سو مہریں جمع کر لیں ۔

اب اُس نے سوچا گھر چلنا چاہیئے ۔ میں اپنی جلاہیں کہ جا کر جب اتنی دولت دوں گا تو وہ کتنی خوش ہوگی ۔ پھر میں اُسے اپنی رخصت کے وقت کی بات یاد دلاؤں گا اور کہوں گا کہ اگر میں تیرے کہنے پر پردیس نہ جاتا تو اتنی دولت اسی گاؤں میں بیٹھے رہنے سے کس طرح ملتی

اس طرح منصوبے باندھتا ہوا وہ اپنے گاؤں
کی جانب چل دیا رستے میں اُسے ایک جنگل
میں رات پڑ گئی چوہوں ڈاکوؤں اور دندوں کے
ڈر سے وہ ایک پُرانے برگد کے درخت پر چڑھ
گیا۔ سفر سے تھکا ماندہ تو تھا ہی۔ تنے کا
سہارا لے کر تھوڑی ہی دیر میں سو بھی گیا۔
رات کو خواب میں اُسے دو شخص دکھائی
دیئے اُن میں سے ایک تھا کرم (عمل) کا دیوتا
اور دوسرا بھاگیہ (قمت) کا دیوتا۔

قمت کے دیوتا عمل کے دیوتا سے بولے
"عمل کے دیوتا! تمہیں تو معلوم ہے کہ اس مجلاہ
کے نصیب میں صرف بوٹی کپڑے ہی کا سکھ
لکھا ہے پھر مجلاہ تم نے اسے اٹھا کر
سوئے کی تین سو بہریں کیوں دے دیں؟"
عمل کے دیوتا بولے۔ "قمت کے دیوتا!
میرا کام تو محنت کرنے والوں کو اُن کی
محنت کا پھل دینا ہے جو کوشش
کرے گا اُسے اس کا پھل ملنا ہی چاہیئے
اب آگے جیسا مناسب سمجھو کرو۔"

عمل کے دیوتا اور قسمت کے دیوتا کی یہ بات
چیت سن کر جُھلا کر گھبرا کر اُٹھ بیٹھا مگر جب
اُس نے اپنی قسیل کھولی تو اُس میں چھوٹی
کوڑی بھی نہیں تھی یہ دیکھ کر جُھلا افسوس
سے کہنے لگا کہ ہائے ! اتنی مشکلوں سے تو دولت کائی جتی اور
اب اُسے جاتے ایک پل بھی نہیں لگا۔۔۔ بھلا خلی ماتھ کھاؤں
جا کر میں اپنی بیوی اور دوستوں کو کس طرح منہ دکھاؤں گا۔
یہ سوچ کر وہ پھر اُسی شہر میں واپس آیا اور
ایک ہی برس میں دو گنی محنت سے اُس نے پانچ ہزار مہریں
لگا کر پھر جمع کر لیں۔

اب وہ اپنے گاؤں کی طرف دوسرے رستے سے چل دیا
لیکن ہونی ایسی کہ سورج دُرجے پر وہ اسی برگد کے درخت کے
پاس آ پہنچا۔ یہ دیکھ کر جُھلا بہت ہی پریشانی ہوا کہ
ماتھ دیکھو لاکھ کوشش کی مگر ہونی وہیں لے جا کر چھٹی
ہے جہاں کچھ ہونے والا ہو۔ یہ دوسرا رستہ بھی آ کر
اُسی پہنچا ہے سے مل گیا اور وہ جھٹکتا ہوا پھر اُسی جنگل میں
آ پڑا۔ اُس نے اپنے من میں کہا معلوم ہوتا ہے کہ آج کی رات
بھی اسی منوس درخت ہی پر بسر کرنی پڑے گی۔
رات کو آنکھ لگنے پر پھر خواب میں جُھلا کر قسمت

اور عمل کے دیوتا دکھائی دیئے۔ اُس دن کی طرح پھر قسمت کے دیوتا نے عمل کے دیوتا سے شکایت کی۔ ”اس جلاہے کو تم نے کیوں اتنی دولت دی۔ اس کی قسمت میں تو مرثِ ردئی کپڑا لکھا ہے۔“

عمل کے دیوتا نے جواب دیا۔ ”انسان کو اس کے عمل کا پھل دینا میرا فرض ہے۔ وہ پھل کا فائدہ اٹھا سکے یا نہیں یہ تمہاری مرضی پر ہے۔“

گھبرا کر چپ جلاہے کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اُس کی تھیلی پھر خالی پڑی تھی۔ اب تو جلاہے نے اپنا سر پیٹ لیا۔ دوسری بار بھی اپنا سب کچھ کھو کر اُسے بہت ناامید ہوئی۔ وہ سوچنے لگا۔ دولت کے بغیر تو اس دُنیا میں جینا ہی بیکار ہے۔ یہ سوچ کر اپنی پگڑی کو درخت سے لٹکا کر اس نے دونوں سروں کو باندھ کر پھینکا بنایا اور جیسے ہی وہ نکلے میں پھانسی لٹکانے کو تیار ہوا قسمت کے دیوتا نے سامنے آ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولے۔ ”سنو بھائی ابھی تمہاری زندگی باقی ہے۔ تم خودکشی کرنے کی کوشش نہ کرو جاؤ اپنے گھر جاؤ۔ مگر میں تمہیں یہ قول دیتا ہوں جو کچھ تم مانگو گے ملے گا، بولو تمہیں کیا چاہیئے۔“

جلاہے نے کہا۔ ”اگر یہ بات ہے تو آپ مجھے دولت مند

بنا دیں ۔

یہ سن کر قسمت کے دیوتا بولے ۔ ” مگر تم دولت سے کر بھی کیا کرو گے ۔ دولت کا استعمال تمہارے نصیب میں نہیں لکھا ہے ۔“
جُلا بولا ۔ ” اس کے باوجود بھی مجھے دولت چاہیئے ۔ اس دُنیا میں کتنے ایسے امیر لوگ ہیں جو اپنی صحت کی خرابی یا کجفوسی کے باعث خود دولت کا استعمال کرنے کے قابل نہیں ۔ مگر امیر ہونے کی وجہ سے سماج میں اُن کی عزت ہے ۔ بھائی بند انہیں گھبرے رہتے ہیں ۔ لوگ اُن کے مقصور اور خطا پر بھی اُن کے مُنہ پر نکتہ چینی کرنے کی گستاخی نہیں کرتے ۔ میرے نصیب میں دولت کا سُکھ نہیں ہوگا تو کوئی بات نہیں مگر میں دولت مند کھلانا چاہتا ہوں ۔“

قسمت کے دیوتا نے کہا ، ” اگر ایسی بات ہے تو تم شہر کو واپس چلے جاؤ ۔ وہاں تمہیں ایک سوداگر کے دو بیٹے ملیں گے اُن میں سے ایک تو دھن جوڑو اور دوسرا دھن اُڑاؤ ہے تم ان دونوں میں سے جس کی مانند بننا پسند کرو گے ویسا تمہیں بنا دیا جائے گا ۔“

یہ کہہ کر قسمت کے دیوتا غائب ہو گئے ۔

اب وہ جُلا شہر میں آ کر دھن جوڑو کا پتہ پوچھتا پوچھتا ایک گلی میں آیا ۔ گلی والوں سے جب اُس نے پوچھا ، ” بھائی

۱۹۶

۲۱

یہاں سوہاگر کا بیٹا دھن جوڑو رہتا ہے؟ ایک نے کہا۔
 ”رہتا ہوگا کوئی بھنوس لکھی چوس ہمیں اس سے کیا مطلب؟“
 دوسرا بگڑ کر بولا ”تم پرروسی معلوم ہوتے ہو
 سویرے سویرے اس بھنوس کا نام سُنا دیا۔ رام جانے
 آج روٹی بھی نصیب ہوگی کہ نہیں۔“

جلاہے تے سوچا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بڑی بدنامی کمائی ہے
 اس دھن جوڑو نے! کوئی اس کا نام تک سُنا نہیں چاہتا خیر
 میں خود ہی اس کا گھر ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہوں۔“
 ڈھونڈتے ڈھونڈتے جلاہے کو آخر دھن جوڑو کا گھر
 مل ہی گیا۔ دھن جوڑو کی بیوی بیچوں اور نوکروں چاکروں سے
 دھنکارے جانے پر بھی جلاہا اُس کے آنگن میں جا کر بیٹھ
 گیا۔ رات کو ساہوکار کی بیوی نے بے ولی سے اُسے کھانا
 بھی کھلا دیا وہ اپنے شوہر کے مزاج سے اچھی طرح
 واقف تھی۔ اس لئے کسی بھوکے پیاسے کے لئے ہمدردی
 ظاہر کرنے کا اُسے حوصلہ نہیں ہوتا تھا۔

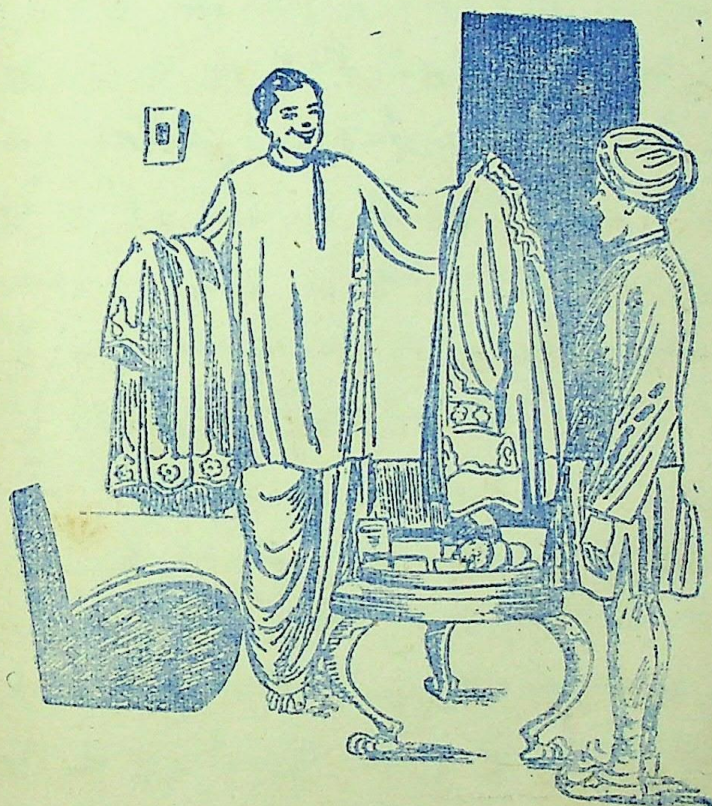
تیر رات کو جلاہا اسی آنگن میں سو گیا۔ اب خواب
 میں اُسے پھر عمل اور قیمت کے دیوتا دکھائی دیئے۔ قسمت کے
 دیوتا نے عمل کے دیوتا سے پوچھا۔ ”عمل کے دیوتا! بھلا
 تم نے یہ کیا کیا۔ اس دھن جوڑو کے نصیب میں

تو پیسہ خرچ کرنا کھنا ہی نہیں ہے۔ پھر اس چلا ہے کو کھانا
 کھلوا کر تم نے یہ فالتو خرچ کیوں ہونے دیا ؟
 عمل کے دیتا ہوے۔ ” قسمت کے دیتا۔ اب میں نے
 جو مناسب سمجھا کر دیا، آگے تمہاری مرضی، جس طرح

چاہو اس
 کمی کو پورا
 کرو۔ ”

دوسرے

دن ہو نہا
 کے بس ہو
 کر دھن جوڑ
 بیارہ پڑ گیا
 اور اس طرح
 اُسے کئی دن
 تک فاقہ کرنا
 پڑا۔ اور بھوکا
 پیاسا چلا
 بھی دھاں
 سے دھن اڑاؤ



دھن اڑاؤ نے چلا ہے کی بہت کڑبکت کی اور اُسے پیٹ بھر
 کھانا کھلایا۔ پر شک کا نیا جوڑا پہنے کو دیا۔ —

کی تلاش میں چلی دیا۔ اُس کی گلی میں گھستے ہی نچے نچے
کے منہ سے اُس نے دھن اڑاؤ کی تعریف سنی اور وہ
اُسے سوداگر کے اُس پیٹ کے گھر تک چھوڑ آئے۔
دھن اڑاؤ نے جلاہے کی بہت آؤ بھگت کی۔
اور اُسے پیٹ بھر کھانا کھلایا نیا جوڑا پہننے
کو دیا اور اس کے آرام کا انتظام کر کے وہ سونے
چلا گیا۔

اب رات کو خواب میں جلاہے کو پھر قسمت کے
دیوتا اور عمل کے دیوتا دکھائی دیئے۔ قسمت کے دیوتا
عمل کے دیوتا سے بولے۔ ”بھائی عمل کے دیوتا! اس
دھن اڑاؤ نے تو جلاہے کی آؤ بھگت میں اپنی رہی
ہی پلو بخی بھی خرچ کر دی ہے۔ اب اس کے کل کھانے
پینے کا کام کیسے چلے گا۔“

عمل نے دیوتا بولے۔ ”اچھے کام کرنے کی رغبت دلانا
میرا کام ہے۔ اب بگڑی بات بنانا تمہارے ماتھے میں ہے۔ کچھ
قسمت کا کرشمہ دکھاؤ۔“

دوسرے ہی دن راجہ کے دربار سے ایک اہلکار آیا
اور دھن اڑاؤ کو راجہ کی طرف سے روپوں کی ایک تھیلی بھیجی
کر گیا۔

یہ دیکھ کر جلاہا سوچنے لگا کہ دھن جوڑو جیسا کروڑپتی بننے سے دھن اڑاؤ کی طرح لوگوں کی خدمت کرنا اور آئندہ رہنا لاکھ درجے اچھا ہے۔ کیونکہ دولت کا فائدہ اس کے ٹھیک استعمال ہی میں ہے۔ جس دولت مند کی دولت کسی کے کام نہ آئے اس سے تو غریب رہنا اچھا۔ دھرم پر عمل کرنے سے ہی انسان دھرماتما کہلاتا ہے۔ فقط دھرم کے اپدیش پڑھ لینے سے کوئی دھرماتما نہیں بن جاتا۔ اس لئے اسے قسمت کے دیوتا آپ مجھے دھن اڑاؤ جیسا دولت مند بنا دیں تو اچھا ہے۔ مجھے دھن جوڑو کی زندگی میں کوئی فائدہ منہر نہیں آتا۔

جلاہے کی خواہش کے مطابق قسمت کے دیوتانے اُسے دھن اڑاؤ جیسا دولت مند بنا دیا۔ وہ گاؤں میں واپس آ گیا۔ وہاں اس کا کاروبار خوب چمک اُٹھا مگر ساتھ ہی ساتھ وہ جتنا کماتا اتنا ہی لوگوں کے بھلے کے لئے خرچ بھی کر دیتا تھا۔ اس طرح وہ چاہے دولت جمع نہ کر سکا ہو مگر اُس نے نیک نامی خوب حاصل کی اور اسی میں ہی جلاہے اور جلاہن کو اطمینان حاصل تھا۔



رام چندر مشرا

برج کی لوک کہانی

انسان کی بیٹی

کسی گاؤں میں ایک برہمن رہتا تھا۔ وہ بڑا عالم اور نیک چلن تھا۔ اس کی بیوی بھی بہت شریف اور گھر کے کام کاج میں بہت ہوشیار تھی۔ اُن کے صرف دو بچے تھے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ ماں باپ اپنے دونوں بچوں سے بہت پیار کرتے تھے اور اُن کو نیک صفت اور نیک چلن بنانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ اگرچہ لڑکا بڑا تھا پھر بھی لڑکی زیادہ ہوشیار تھی۔ ماں باپ کو بھی اس سے خاص محبت تھی لڑکی رفتہ رفتہ بڑھنے لگی اور بیاہ کے قابل ہو گئی۔

ماں باپ یہ سوچ نہ سکتے تھے کہ لڑکی اتنی جلدی بیاہ کے قابل ہو جائے گی۔ انھوں نے کبھی خیال ہی نہیں کیا تھا کہ انھیں لڑکی کے لئے در ڈھونڈنا ہے۔ ایک دن جب وہ اپنی ماں کے پاس کھڑی تھی تو اُسے دیکھ کر ماں کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ قد میں اُس کے برابر ہو گئی ہے اور اب اس کے بیاہ کی فکر کرنی چاہیے۔ اُسی دن شام کو برہمن نے

اپنے شوہر سے کہا :- "لڑکی بیاہ کے قابل ہو گئی ہے۔ اب اس کے بیاہ کی فکر کرو۔" برہمن بھی لڑکی کو اتنی جلدی سیانا ہوتے دیکھ کر دنگ رہ گیا اور بیوی سے کہنے لگا "تم ٹھیک کہتی ہو اب مجھے اس کے لئے عد ڈھونڈنا چاہیے۔" یہ کہہ کر برہمن فکر میں ڈوب گیا اُس نے جنتری اٹھائی وہ یہ دیکھتا چاہتا تھا کہ بیاہ کی نیک گھڑی کون سی ہے۔ جنتری دیکھنے پر معلوم ہوا کہ بیاہ اسی پہینے بنتا ہے۔ آگے تین سال تک بیاہ کا لگن ٹھیک نہیں۔ یہ دیکھ کر اُسے بہت گھبراہٹ ہوئی برہمن نے اس گھبراہٹ کا سبب پوچھا تو اُس نے بتایا کہ لڑکی کا بیاہ اسی پہینے میں ٹھیک بنتا ہے۔ آگے تین سال تک بیاہ کا لگن ٹھیک نہیں اور اس پہینے میں بیاہ کے لئے صرف ایک دن اچھا ہے اُجالے پندرہواڑے کی پانچویں۔ یہ سُن کر برہمن بھی بڑی بے چینی ہوئی۔ اور کچھ دیر سوچ کر بولی۔ "ابھی تو پندرہ دن باقی ہیں۔ اگر بھٹک طرح کوشش کی جائے تو اتنے دنوں میں در ڈھونڈا جا سکتا ہے اور اسی پہینے بیاہ ہو سکتا ہے۔ تین سال تو ہم نہیں رُک سکتے۔ لڑکی کافی بڑی

ہو گئی ہے۔ ”

برہمن پھر فکر میں پڑ گیا۔ اُس نے سوچا۔ بیوی ٹھیک کہتی ہے۔ تین سال تک نہیں رکا جا سکتا۔ اُس نے نائی کو بلوایا اور لڑکی کے لئے فوراً در ڈھونڈنے کے لئے جانے کو کہا۔ اس نے نائی کو صاف بتا دیا کہ میری یہ بیہ تین سال تک نہیں بنتا۔ اس لئے جلد ہی قابل در ڈھونڈنا ہے اور بیہ اسی جیسے اُجالے پندرھواڑے کی پانچویں کو کرنا ہے۔ ’جو حکم‘ کہہ کر نائی وہاں سے چلا گیا اور در کی تلاش میں نکل پڑا۔

نائی چلتے چلتے ایک گاؤں میں پہنچا۔ وہاں اُسے ایک اچھا پڑھا لکھا اور قابل برہمن نوجوان مل گیا۔ نائی نے اُسے اچھا در سمجھ کر رشتہ پکا کر دیا اور بیہ کے لئے اُجالے پندرھواڑے کی پانچویں کا دن مقرر کر کے واپس آ گیا۔

ادھر نائی کے گھر سے جاتے ہی برہمن کے دل میں طرح طرح کے خیالات اُٹھنے لگے۔ وہ سوچنے لگا۔ آخر نائی ہی تو ہے۔ معلوم نہیں میری شریف اور نیک صفت لڑکی کے لئے کیا رشتہ دیکھ آئے۔ وقت بھڑا ہے۔ اگر غلطی ہو گئی تو درست بھی نہیں کی جا سکے گی۔ ساتھ ہی بیہ کا رشتہ ایک پاک رشتہ ہے۔ دولہا دولہن کا عمر بھر کا سہوگ ہے۔ اور دو زندگیوں کا آخر تک کا ساتھ ہے۔ میں نے بڑی غلطی کی جو نائی

کو در ڈھونڈنے کے لئے بھیج دیا۔ جس لڑکی کو میں اتنا پیار کرتا
ہوں کیا اُس کے لئے کچھ بھی قربانی نہیں کر سکتا۔ نہیں، وہ
ڈھونڈنے میں خود جاؤں گا۔ لڑکی چاہے تین برس اور کمزاری
رہے مگر جب تک میری مرضی کا وہ نہ مل جائے گا اس کا
بیاہ نہ کروں گا۔

یہ سوچ کر برہمن اٹھا اور اپنی بیوی کو اپنا ارادہ بتا کر
در ڈھونڈنے چل دیا۔

ایک گاؤں میں اُسے ایسا قابل در مل گیا جیسا وہ چاہتا
تھا۔ اُس نے اُس کا رشتہ پکا کر دیا اور بیاہ کی تاریخ بتا
کر چلا آیا۔

ادھر برہمن کے گھر سے جاتے ہی برہمنی کو بہت بے چینی
ہوئی۔ وہ سوچنے لگی۔ نائی تو بے وقوف ہوتا ہے۔ اُسے
کیا خبر کہ ہمارا گھر کتنا یا عورت ہے۔ میری لڑکی تو گلاب
کا پھول ہے۔ اندھیرے گھر میں بھی اُجالا کر دینے والی ہے۔
اگر نائی کوئی غریب گھر یا بد صورت در دیکھ آیا تو میری
رئی کڑھ کڑھ کر ہی مر جائے گی۔ میرا دل بھی عمر بھر جلتا رہے
گا۔ میرے پتی نے بہت بُرا کیا جو نائی کو در ڈھونڈنے
کے لئے بھیج دیا۔ اب انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے۔
اور خود ہی در ڈھونڈنے گئے ہیں۔ لیکن اس سے بھی کیا

ہوگا وہ بھی کوئی سا میری پسند کا در دیکھ کر آئیں گے۔ میں جانتی ہوں وہ زیادہ سے زیادہ یہ دیکھیں گے کہ لڑکا پڑھا لکھا اور تندرست ہو، چاہے اُس کے گھر میں کچھ بھی نہ ہو۔ انھیں کیا خبر کہ عورتیں کیا چاہتی ہیں۔ میں تو ایسا لڑکا چاہتی ہوں جو خوبصورت اور تندرست ہو۔ دولت مند ہو۔ فراخ دل اور نیک چلن ہو۔ اگر پڑھا لکھا ہوا لیکن خوبصورت نہ ہوا تو وہ کوڑی کا۔ وقت بہت تھوڑا ہے جلدی میں غلطی ہو سکتی ہے۔ اس لئے میں خود در ڈھونڈنے جاؤں گی۔ میرے پتی نے میری سب باتیں مانی ہیں تو کیا یہ چھوٹی سی بات نہ مانیں گے۔ مانیں گے کیوں نہیں۔ زبردستی مناؤں گی۔ کیا لڑکی پر میرا کچھ بھی حق نہیں ہے۔ نہیں میں نہ نائی کی مانوں گی اور نہ پتی کی۔ یہ تو لڑکی کے لئے عمر بھر کا سوال ہے۔“

یہ سوچ کر برہمنی نے اپنے لڑکے کو اپنے پاس بلایا اور اُسے سب حال بتا کر لڑکی کے لئے در ڈھونڈنے چل دی۔

در کی تلاش میں وہ ایک گاؤں میں پہنچی۔ وہ جیسا در چاہتی تھی ویسا اُسے مل گیا اُس کا رشتہ پکا کمر کے اور بیہ کی تاریخ مقرر کمر کے وہ اپنے گھر واپس آگئی

ادھر اُس کے گھر سے جاتے ہی لڑکی کا بھائی سوچنے لگا - 'نائی تو اپنا فرض پورا کر دے گا - اُسے وہ ڈھونڈنے کے لئے کہا گیا ہے وہ وہ ڈھونڈ دے گا - پھر چاہے وہ کیسا ہی ہو - وہ ڈھونڈنے کے بعد اس کا فرض پورا ہو جاتا ہے - بعد میں سمجھنا تو ہمیں ہی پڑے گا - ماں باپ پر کچھ ذمہ داری ضرور ہے لیکن زیادہ نہیں - وہ تو اپنی مرضی کا وہ ڈھونڈیں گے - پتا جی یہ دیکھیں گے کہ لڑکا پڑھا لکھا ہو ماما جی یہ دیکھیں گی کہ لڑکا خوبصورت ہو دولت مند ہو - لیکن اتنے سے تو کام نہیں چلتا - ماں باپ تو بہن کا بیاہ کر کے شوگر سدھار چائیں گے - بہنوئی صاحب اور اُن کے خاندان والوں سے بعد میں تو مجھے ہی پالا پڑے گا - میں چاہتا ہوں کہ میری بہن کے لئے جو وہ دیکھا جائے وہ مزاج کا اچھا ہو ملنسار ہو اور اُس کے خاندان والے مہذب اور شریف ہوں جس سے میری بہن کو سُسرال میں جا کر کوئی تکلیف نہ ہو اور اس کی وجہ سے مجھے بھی کوئی تکلیف نہ ہو - لڑکا پڑھا لکھا بھی ہو خوبصورت بھی ہو اور دولت مند بھی ہو لیکن مہذب اور شریف نہ ہو تو گھر میں ہمیشہ پریشانی رہے گی اور بہن کی زندگی دوپہر ہو جائے گی - اس لئے میں اپنی مرضی کا

وہ ڈھونڈوں گا۔ ماں باپ جیلے ہی ناراض ہوں انہیں کتنے
 ملک اس دنیا میں رہنا ہے؟



منیاس نے پیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے برہمن سے کہا۔ ”اے اٹھالو!“

یہ سوچ کر وہ اٹھا اور گھر توکر کے سپرد کر کے وہ
 ڈھونڈنے چل دیا۔

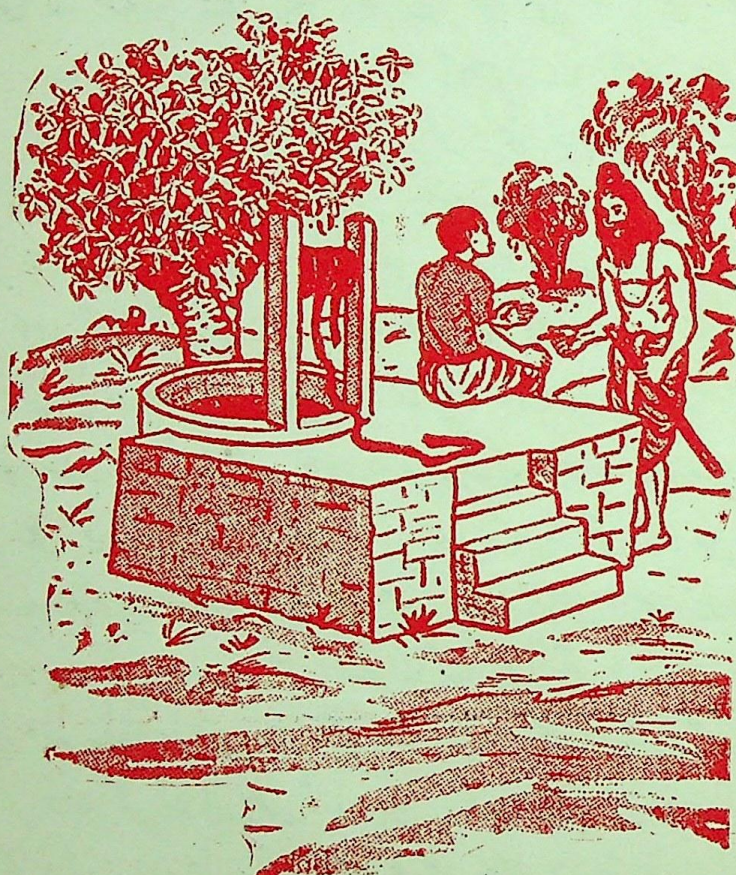
ایک گاؤں میں اُسے بھی اپنی پسہ کا ور مل گیا اور
 وہ اس کا رشتہ پکا کر کے اور بیاہ کی تاریخ مقرر
 کر کے گھر واپس آ گیا۔

نئی برہمن برہمنی اور اُن کا بڑا چاروں ایک ہی

دن گھر واپس پہنچے۔ آپس میں بات چیت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ چاروں چار گاؤں میں چار واد تلاش کر آئے ہیں اور سب کو بیاہ کی ایک ہی تاریخ اُجالے پندرہواڑے کی پانچویں بتا آئے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہونے پر برہمن کو بہت فکر ہوئی۔ اس نے مافی سے کہا کہ وہ فوراً تینوں گاؤں میں جا کر رشتہ رو کر آئے۔ رشتہ رو ہی رشتہ پکا سمجھا جائے جسے باپ نے خود پکا کیا تھا۔ مافی شش و پنج میں پڑ گیا وہ 'ہاں' کر کے 'نہ' کرنا ٹھیک نہیں سمجھتا تھا۔ اگر مافی آج ایک رشتہ پکا کر دے اور کل اُسے رو کر دے تو سماج میں اس کی ساکھ ہی کیا رہے گی۔ اس لئے وہ اپنے پکے کئے ہوئے رشتے کو رو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ان تینوں رشتوں کو رو کرنے گیا جو برہمن برہمنی اور اُن کے لڑکے نے پکے کئے تھے۔ اس نے تینوں جگہوں پر جا کر برہمن کا پیغام سنا دیا۔ لیکن بہکانے والا سمجھ کر کسی نے اس کی بات نہ مافی اور بیاہ کی تیاری کرتے رہے۔ انھوں نے سوچا۔ رشتہ کو وہی رو کر سکتا ہے جس نے پکا کیا ہے۔ یہ کوئی لڑکی والے کا دشمن معلوم ہوتا ہے۔

اُجالے پندرہواڑے کی پانچویں آئی برہمن نے بیاہ کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ لیکن جب شام کو چار برہمن وادوازے پر

دیکھیں تو گھبرا گیا - سوچنے لگا - نانی کو منع کرنے کے لئے بھیج
 دیا تھا - پھر بھی یہ لوگ کس طرح آ گئے - ایک لڑکی اور
 چار در ! میری کیسی بد قسمتی ہے - اب مجھے ڈوب مرنے کے



سنیاسی نے کہا - "خودکشی کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔
 تو میرے ساتھ چل - میں تیری شکل میں گردوں لگاؤ۔"

لے بھی جگہ میسر نہیں۔ اے بھگوان میں نے ایسے کیا پاپ
کئے تھے جو مجھے یہ دن دیکھنے کو ملا۔ اب میں کہاں جاؤں
اور کیا کروں؟

یہ سوچتے سوچتے برہمن بے چین ہو گیا۔ اہم شرم اہم
بدنامی کے کلنک سے بچنے کے لئے خودکشی کرنا ہی اُس نے
سب سے اچھا علاج سمجھا۔ وہ آہستہ سے اُٹھا اور گاؤں
کے باہر ایک کنوئیں میں کود کر اپنی جان دینے کے خیال
سے چل دیا۔ جب وہ کنوئیں پر پہنچا تو اچانک ایک سیاسی
اُدھر آ نکلا۔ سیاسی نے اُس سے پوچھا: "تو اس سُنسان
جنگل میں اس کنوئیں پر اکیلا بیٹھا کیا کر رہا ہے؟" برہمن
نے سیاسی سے سارا حال کہہ سُنایا۔ سیاسی نے کہا: "خودکشی
کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تو میرے ساتھ چل۔ میں تیری
مشکل حل کر دوں گا۔" برہمن سیاسی کے ساتھ ہو لیا۔

رستے میں ایک کتیا ملی جس سے ابھی ابھی تین پلٹیاں
پیدا ہوئی تھیں۔ سیاسی نے ایک پلٹیا کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے برہمن سے کہا: "اسے اُٹھا لو۔" برہمن نے
پلٹیا کو اُٹھا کر جھولی میں ڈال لیا۔ آگے چل کر دونو کیا دیکھتے
ہیں کہ ایک سودنی نے ابھی ابھی بچے دیئے ہیں۔ اُن میں
سے ایک بچی ہے۔ سیاسی نے اشارہ کیا کہ اسے بھی اُٹھا

برہمن نے پیسے
ایک درگوبراہ



لو۔ برہمن نے اُسے بھی اٹھا کر جھولی میں ڈال لیا۔ جب
اور آگے چلے تو ایک گدھ سی ملی۔ اُس نے بھی ابھی بچے دیئے
تھے۔ اُن میں ایک مادہ بچہ تھا۔ سنیا سی کے اشارہ کرنے پر
برہمن نے گدھ سی کے بچے کو بھی جھولی میں ڈال لیا۔

اب سنیا سی اور برہمن گھر پہنچے۔ سنیا سی نے کہا:- ان
تینوں بچوں کو ایک کوٹھے میں بند کر دو اور اپنی لڑکی کو بھی
اسی میں بند کر دو۔ جب تک میں نہ کہوں گوٹھا نہ کھولنا۔ برہمن
نے ایسا ہی کیا اور چاروں کو ایک کوٹھے میں بند کر دیا۔ اس

کے بعد سنیا سی نے کہا کہ ایک ایک کر کے چاروں دروں کو
جنواسوں سے بلاؤ۔ برہمن نے پہلے ایک وہ کو بلایا۔
سنیا سی کی اجازت سے کوٹھے کا تالا کھولا گیا۔ لیکن سب
لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کہ اندر ایک ہی روپ رنگ
اور عمر کی چار لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ اُن میں سے ایک
لڑکی کو باہر نکالا گیا اور اُس کا بیاہ قاعدے کے مطابق
آئے ہوئے قدرے کے ساتھ کر دیا گیا۔ اسی طرح باری باری
سے باقی تینوں لڑکیوں کا بیاہ بھی باقی تینوں دروں کے
ساتھ کر دیا گیا۔ برہمن نے چاروں براتوں کی اچھی طرح غلط
کی اور صبح ہوتے ہی چاروں کو رخصت کر دیا۔ چاروں قدرے
خوش تھے اور چاروں کے چہرے پر فتح کا جذبہ جھلک
رہا تھا۔ اُن میں سے ہر ایک یہ سمجھ رہا تھا کہ برہمن نے
لڑکی کا بیاہ میرے ہی ساتھ کیا ہے۔ اور باقی تینوں قدرے
نا اُمید ہو کر جا رہے ہیں۔ اُنہیں یہ اچھی طرح معلوم تھا
کہ لڑکی ایک ہی ہے۔ اور براتیں غلطی سے چار آگئی ہیں۔
چاروں لڑکیوں کو سُسرال گئے کافی مدت ہو گئی۔ ایک
دن برہمن کے دل میں آئی کہ جا کر دیکھوں کہ چاروں لڑکیاں
سُسرال میں کس طرح رہ رہی ہیں۔
پہلے وہ اُس لڑکی کے پاس گیا جو کُتیا کی بیٹی تھی۔

سمدھی نے اُس کی اچھی طرح آؤ بھگت کی اور کہا: "پنڈت جی! ہم آپ کے بہت احسان مند ہیں۔ آپ نے باقی تین دروں کی پروا نہ کر کے میرے لڑکے کے ساتھ اپنی لڑکی کا بیاہ کیا۔ اس میں میں اپنی بڑی عزت محسوس کرتا ہوں۔ آپ کی لڑکی بہت لائق ہے۔ گھر کا سب کام کاج بھی کر لیتی ہے۔ لیکن اس میں کچھ عیب بھی ہیں۔ وہ بلاوجہ سب سے لڑتی ہے۔ گھر میں سب چیزیں موجود ہوتے ہوئے بھی پٹوسیوں سے مانگے بغیر نہیں رہتی۔ صبح ہوتے ہی جب تک دس گھر نہیں گھوم لیتی اُسے چین نہیں پڑتا۔ ہم نے اُسے بہتیرا کہا ہے کہ تو گھر گھر پھرنا چھوڑ دے۔ لیکن اُس کی یہ عادت نہیں جاتی۔" برہمن نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اپنے دل میں کہا: "ہے تو کتیا کی ہی اولاد۔"

اس کے بعد وہ اپنی اُس لڑکی کے پاس گیا جو سونی کی بیٹی تھی۔ یہاں بھی سمدھی نے اُس کی آؤ بھگت کی اور کہا: "شری مان جی! باقی تین سمدھیوں کی پروا نہ کر کے آپ ہمیں اپنی لڑکی دی۔ اس کے لئے ہم آپ کے بہت شکر گزار ہیں۔ آپ کی لڑکی بھی بہت لائق ہے۔ لیکن اُس میں ایک بڑا عیب ہے۔ وہ بہت گندی رہتی ہے۔ اچھے سے اچھے کپڑوں کو دو ہی دن میں خراب کر لیتی ہے۔ کھانے کا ڈھنگ

بھی اُسے نہیں آتا۔ چاندی کے تھال میں الگ الگ برتے ہوئے کھانوں کو ایک ہی جگہ بلا کر چٹ کر جاتی ہے۔ جب جی چاہے کھانے بیٹھ جاتی ہے۔ گھر میں کوئی چیز رکھی دیکھتی ہے تو اٹھا کر کھانے لگتی ہے۔ سڑک پر کوئی خواجے والا آواز لگاتا ہے تو اُسے بلا لیتی ہے اور اُس سے لے کر چاٹ پکوڑی کھاتی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ ایک تو وہ پیٹ کی سُورنی ہے دوسرے گندی رہتی ہے۔ ”برہمن نے اپنے دل میں کہا:-“آخر ہے تو سُورنی کی ہی اولاد۔“

اس کے بعد وہ اپنی اُس لڑکی کے پاس گیا۔ جو گدھی کی بچی تھی۔ یہاں بھی سمدھی نے اُسی طرح اُس کی خاطر داری اور تعریف کی جس طرح باقی دو سمدھیوں نے کی تھی۔ سمدھی نے اُس کی لڑکی کی بھی تعریف کی اور کہا:- ”آپ کی لڑکی بڑی سیدھی سادی اور بھولی بھالی ہے۔ بے چاری دن بھر کام میں لگی رہتی ہے۔ چاہے کسی کام میں لگا دو۔ کبھی انکار نہیں کرتی۔ مگر یہ بات ضرور ہے۔ کہ کام آہستہ آہستہ کرتی ہے۔ کتنا ہی جلدی کا کام ہو ایک گھنٹے کے کام میں چار گھنٹے لگا دے گی۔ اگر جلد کرنے کے لئے کہو تو کام خراب کر دے گی۔ کبھی کبھی کام کرتے وقت پڑوسیوں سے باتیں کرنے لگتی ہے۔

اور کام کرنا بھول جاتی ہے۔ سُست اتنی ہے کہ کھانا پکاتے پکاتے سو جاتی ہے۔ ڈانٹ پھٹکار کا اُس پر کوئی اثر ہی نہیں۔ عقل تو بھگوان نے دی ہی نہیں کسی بات کو بار بار سمجھاؤ پھر بھی نہیں سمجھتی۔ بچے اُسے کبھی کبھی گدھی کی بیچی کہہ دیتے ہیں۔ "برہمن نے دل میں کہا:- کون میری لڑکی ہے؟ ہے تو گدھی کی ہی اولاد" آخر کار وہ اپنی لڑکی کے پاس گیا۔ یہاں بھی اُس کی آؤ بھگت ہوئی۔ سمجھی نے اُس کی لڑکی کی بہت تعریف کی اور کہا:- "پیارے بھائی! آپ کی لڑکی بہت شریف اور نیک خلعت ہے۔ جس دن سے ہمارے گھر آئی ہے۔ ہمارے گھر کی غریبی دور ہو گئی۔ وہ صبح سویرے سب سے پہلے اُٹھتی ہے۔ سارے گھر کی صفائی کرتی ہے۔ ہمیشہ نہا دھو کر پو جا پاٹھ کرتی ہے۔ خالی وقت میں رامائن اور بھاگوت پڑھتی ہے۔ کھیل تماشے اُسے اچھے نہیں لگتے۔ میلا دیکھنے آج تک نہیں گئی۔ سب کو بڑی محبت سے کھانا کھلاتی ہے۔ ساس شسر پتی اور دوسرے بزرگوں کی خدمت کر کے خوش ہوتی ہے۔ اُس کا برتاؤ اور بول چال کا دُھنگ بہت اچھا ہے۔ گھر کے اور باہر کے سب لوگ

اُس سے خوش رہتے ہیں۔ وہ گھر کی سب چیزوں کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ کوئی بے فائدہ خرچ نہیں ہونے دیتی۔ جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہی منگاتی ہے۔ بے کار چیزوں کو جمع کر کے نہیں رکھتی۔ اپنے لئے آج تک کبھی ایک ساڑھی لانے کو بھی نہیں کہا۔ جب ہم خرید کر لاتے ہیں تو کہتی ہے۔ ابھی اس کی کیا ضرورت تھی۔ زیور تو پہنتی ہی نہیں۔ وہ اپنے سہاگ ہی کو سب سے بڑا زیور سمجھتی ہے۔ میں اُس کی خوبیوں کی کہاں تک تعریف کروں وہ تو مجسم دیوی ہے۔ "برہمن نے دل میں کہا:۔" آخر ہے تو انسان کی ہی اولاد۔"

اس کے بعد وہ خوش ہو کر گھر واپس آ گیا۔



’برو ایک چھلانگ میں راجہ
کی گودیں جا کر بیٹھ گیا۔‘



ننگل کی لوک کہانی

من تھ ناتھ گپت

کلاوتی

ایک راجہ تھا۔ اُس کے سات رانیاں تھیں۔ راجہ
کی سلطنت بہت بڑی تھی۔ فیل خانے میں ہاتھی گھوڑاں میں
گھوڑے، خزانے میں موتی اور ہیرے کچھا کچھ بھرے تھے۔

کسی بات کی کمی نہیں تھی۔ کمی تھی تو بس ایک بات کی۔ وہ یہ کہ سات رانیاں ہوتے ہوئے بھی کوئی لڑکا نہیں تھا۔ ایک دن رانیاں نہا رہی تھیں کہ تالاب کے کنارے ایک باباجی آگئے۔ اور اُنھوں نے بڑی رانی کے ہاتھ میں ایک جڑی دیتے ہوئے کہا:۔ "اسے سِل پر پس کر ساتوں رانیاں کھا جائیں۔ سب کے ایک ایک لڑکا ہو گا۔"

رانیاں بہت خوش ہوئیں اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ آج سارے کام ہم خود کریں۔ اور پھر جڑی کھائیں۔ اس لئے کوئی کھانا پکانے کوئی ترکاری کاٹنے کوئی مسالہ پیسنے میں لگ گئی۔ باباجی کی دی ہوئی جڑی بڑی رانی کے پاس تھی اُس نے پانچویں رانی کو جڑی دیتے ہوئے کہا:۔ "اسے نہا لو اور ہم لوگ تھوڑی تھوڑی کھائیں۔" پانچویں نے کچھ خود کھالی پھر بڑی رانی کو دی۔ وہ اُس نے کھالی۔ اس طرح سے کھاتے کھاتے کچھ نہیں بچا اور چھوٹی رانی جو باہر کے حصے میں کہیں پھلی سنا رہی تھی وہ جڑی کھانے سے رہ گئی۔ جب چھوٹی رانی نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ پیچھا کھا کر گر پڑی۔ اب رانیاں ایک دوسرے کو الزام دینے لگیں۔ آخر ایک رانی نے کہا:۔ "کیوں نہ سِل بڑا دھو کر اسے پلا دیا جائے۔ ایک رانی تو کٹوری دھو کر پی ہی

چکی ہے۔ ہونا ہو گا تو اسی سے اس کے بھی رٹکا ہوتا ہے گا۔
 آخر کیا کرتی چھوٹی رانی نے بس کی دھوون ہی پنی لی
 دس مہینے دس دن گذر نے پر پانچ رانیوں کے توڑ کے
 پیدا ہوئے۔ جس نے کٹوری دھو کر پی تھی۔ اُس کے پیٹ
 سے ایک اُٹو اور چھوٹی رانی کے پیٹ سے ایک بندر
 پیدا ہوا۔ پانچ رانیوں کے دروازے پر ڈھول بجنے لگے
 اور دونوں رانیوں کے گھروں میں رونا پٹنا چم گیا۔ راجہ
 نے پانچ رانیوں کی تو بہت عزت کی اور باقی دو رانیوں
 کو محل سے نکال باہر کیا۔ چھٹی رانی جڑیا خانے میں نوکرائی
 ہو گئی۔ اور چھوٹی رانی گوہر اکٹھا کرتی ہوئی ماری ماری
 پھرنے لگی۔

رفتہ رفتہ کمار بڑے ہوئے اور اُٹو اور بندر بھی بڑے
 ہوئے۔ پانچ کماروں کے نام اس طرح سے ہوئے۔ بہیرا
 کمار، مانک کمار، موتی کمار، پکھراج کمار اور کانجن کمار۔ اُٹو کا نام
 پڑا بُھتو اور بندر کا نام پڑا بدھوا۔
 پانچ کمار پانچ کپشی راج گھوڑوں پر پھرا کرتے تھے۔
 اُن کے ساتھ بے شمار سپاہی اور دوسرے لوگ اردل
 میں رہتے تھے۔ بُھتو اور بدھوا ایک مولسری کے درخت
 پر رہتے تھے۔

پانچوں راج کمار کہیں اسے پیٹتے تھے تو کہیں اسے نوچتے تھے۔ لوگ اُن سے پریشان تھے۔ بدھوا گوبر اکٹھا کرنے میں ماں کا ساتھ دیتا تھا۔ اور بھتوا پھڑپھا خانے میں چڑیوں کو چھٹا کھلاتا تھا۔



پانچ کمار پانچ چکنی راج گھوڑوں پر بٹھا کرتے تھے۔
بھتوا اور بدھوا ایک موسیٰ کے تحت پرہتے تھے۔

ایک دن سب راجکمار
ٹہنے بٹھے تو اُنھوں نے
درخت پر بھتوا اور بدھوا
کو دیکھا۔ بس اُنھوں نے
حکم دے دیا کہ انھیں
پکڑ لیا جائے۔ تھوڑی ہی
دیر میں دونوں جالی میں
پھنسا لے آگئے اور اُنھیں
بجروں میں بند کر کے راج
محل میں لایا گیا۔ بھتوا اور
بدھوا نے جب یہ دیکھا

کہ یہ تو بہت عمدہ جگہ ہے تو وہ راجکماروں سے کہنے
لگے :- ”ہم لوگوں کو لے آئے ہو تو ہماری ماؤں کو
بھی لے آؤ“ کماروں نے پوچھا :- ”تمھاری مائیں
کہاں ہیں؟“

اس پر اُن دونوں نے اپنی ماؤں کا حال بتایا
 کمار بولے :- "بھلا انسان سے بھی اُٹو اور بندر پیدا
 ہوتے ہیں ؟" یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگے ۔

لیکن ایک سپاہی نے اُن رانیوں کا ماجرا
 سنایا اور کہا کہ یہ اُنھیں رانیوں کے بیٹے ہیں ۔
 یہ سُن کر کماروں نے حکم دے دیا کہ ان
 دونوں مخموسوں کو فوراً راج محل سے نکال باہر کیا
 جائے ۔ ایسا ہی ہوا ۔

سونے کی کھاٹ پر بیٹھیں چاندی کی چوکی
 پر پاؤں رکھ کر پانچ رانیاں بال سنوار رہی تھیں ۔
 ایک باندی نے آکر خبر دی کہ ندی کے کنارے ایک
 طوطا پنکھی جہاز آگیا ہے ۔ اُس میں چاندی کے چھو
 اور ہیرے کی تہوار ہے ۔ اُس جہاز میں بادلوں کے
 رنگ کے بال والی لڑکی سونے کے طوطے سے بات
 کر رہی ہے ۔ فوراً سب رانیاں دوڑ کر اُس لڑکی کو
 دیکھنے چلیں ۔

اُس وقت تک طوطا پنکھی نگر اٹھا کہ روانہ ہو چکا
 تھا ۔ جہاز سے بادلوں کے رنگ کے بال والی لڑکی نے
 کہا ۔ موتی کا پھول موتی کا پھل جہاں ہو وہ دیں میرا

ہے۔ دہاں اپنے لڑکوں کو بھیجنا۔“
 جب تک جہاز اور دُور نکل گیا۔ اُس میں سے پھر
 اُس لڑکی نے کہا: ”جو لڑکا موتی کے پھول لانے کے
 قابل ہوگا۔ اُس کی باندی ہو کر میں آؤں گی۔“
 طوطا پنکھی تو چلا گیا اور رادھر رانیوں نے کماروں
 کو خبر دی۔ کمار پکشی راجوں پر چڑھ کر آئے۔ راجہ نے
 بھی ساری باتیں سن کر مور پنکھی تیار کرنے کا حکم دیا۔
 تدبیر کرنے کے لئے خاص دبا بلایا گیا۔ بُھتوا اور بدھوا
 بھی دہاں پہنچے۔ بدھوا ایک چملائنگ میں راجہ کی گود میں
 جا کر بیٹھ گیا۔ اور بُھتوا راجہ کے کندھے پر جا بیٹھا
 دربار میں کھرام پڑ گیا۔ اور سب لوگ دوڑ پڑے بدھوا
 اور بُھتوا نے راجہ کو پتا جی کہہ کر پکارا۔ اس پر راجہ
 کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

پانچ جھنڈیاں اڑائے ہوئے پانچ مور پنکھی کنارے پر آ
 گئے۔ رانیاں اپنے کماروں کو بڑے ٹھاٹھ سے چڑھانے
 کے لئے آئیں۔ رادھر راجہ بھی بدھوا اور بُھتوا کو لے
 کر آئے۔ اس پر بُھتوا اور بدھوا نے کہا کہ انھیں بھی
 مور پنکھی چاہئے۔ رانیوں نے جو یہ بات سنی تو اُن کے
 ایک ایک طمانچہ جمایا اور الگ کر دیا۔ راجہ مگر مگر دیکھتے

رہ گئے۔ کچھ بول نہ سکے۔ رانیوں کے سامنے اُن کا منہ نہیں کھلا۔

راجہ اور رانیاں تو چلی گئیں اب بدھوا نے جھتوا سے پوچھا: ”جھائی اب کیا کریں؟“

”جھتوا بولا:۔“ ”کچھ سمجھ نہیں آتا۔“

بدھوا نے کہا:۔ ”چلو بڑھئی کے ہاں چلیں۔“

اُدھر جھتوا اور بدھوا کی مائیں رو رو کر دن کاٹتی تھیں۔ اُنھوں نے سنا کہ پانچوں کمار مور پنکھی لے کر روانہ ہوئے۔ اس پر وہ اور بھی رونے لگیں۔ پھر اُن لوگوں نے جا کر ندی میں سپاری کے درخت کی دو ڈونگیاں چھوڑ دیں۔ اُن کی خواہش تھی۔ کہ اُن کے لڑکے بھی مور پنکھی پر جایش جھتوا اور بدھوا ناڈ بنوانے کے لئے بڑھئی کے ہاں جا رہے تھے کہ راستے میں اُنھوں نے ان ڈونگیوں کو دیکھا۔ اُنھوں نے نے کہا:۔ ”یہ تو بہت اچھا ہوا۔ چلو انھیں پر چلیں۔“

راجکاروں کے مور پنکھی تین بڑھیوں کے ملک میں پہنچے۔ فوراً ہی تین بوڑھے پیادوں نے آکر مور پنکیوں کو روک لیا اور کماروں اور اُن کے سپاہیوں، ملاعوں وغیرہ کو تھیلوں میں بھر کر بڑھیوں کے پاس پہنچایا۔ بڑھیوں نے بنیر پانی کے اُنھیں نکل لیا۔ اور وہ سو گئیں۔ بہت رات گئے کمار آپس میں

بات کرنے لگے۔ کہ یہ تو اچھا رہا کہ عمر بھر کے لئے
بڑھیوں کے پیٹ میں قید ہو گئے۔ اب نہ تو وطن جانا
ہو گا اور نہ ماؤں سے ملنا ہو گا۔

وہ یہ بات کہہ ہی رہے تھے کہ باہر سے آواز آئی
”جیّا جیّا“ اندر سے آواز آئی :- ”ہم پیٹ میں ہیں“
باہر سے آواز آئی :- ”کوئی بات نہیں۔ میں بڑھیا کی
ناک کے بستے دم ڈالتا ہوں تم لوگ اُسے پکڑ کر چلے آؤ“
کماروں نے ایسا ہی کیا اور باہر آ کر دیکھا کہ بڑھوا
اور جھٹوا ہیں۔ بندر اور اُتو نے کہا :- ”بولو نہیں فوراً تلوار
سے بڑھیوں کے گلے کاٹ ڈالو“

ایسا ہی ہوا۔ پھر سب لوگ جا کر مور پنکھیوں پر سوار
ہو گئے اور بڑھوا جھٹوا کو کسی نے پوچھا بھی نہیں۔
مور پنکھی ساری رات چل کر صبح لال ندی کے پانی میں
داخل ہوئے۔ لال ندی کا کوئی کنارہ نہیں تھا۔ اس لئے
طلاح راستہ معمول گئے۔ مور پنکھی سمندر میں جا گرے۔ طلاح
ہائے ہائے کرنے لگے۔ سات دن سات رات تک مور پنکھی
سمندر میں تیرتے رہے۔ اب پانچوں مور پنکھی ڈوبنے لگے
کمار اب بڑھوا اور جھٹوا کو یاد کرنے لگے۔ یاد کرتے ہی
وہ آ گئے۔ اور اپنی سپاری کی ڈونگیوں کو مور پنکھیوں

سے باندھ کر کماروں کے پاس آئے اور ملاحوں سے
آنکھوں نے کہا :- "شمال کی جانب چلو"۔

تھوڑی ہی دیر میں سور پنکھی کسی ایسی ندی میں پہنچی
جس کے دونوں کناروں پر طرح طرح کے پھولوں اور پھول
کے درخت لگے ہوئے تھے کئی دن کے بھوکے پیاسے
کمار اور طرح کھا پی کر سیر ہو گئے۔ جب وہ سیر ہو گئے
تو کمار بولے :- "بند اور آٹو کو ساتھ کھنے سے تنگ خراب ہو
گا۔ انھیں پانی میں پھینک دو۔ ان کی ڈونگیوں کو بھی
کھول دو۔"

تھوڑی دُور گئے ہوں گے کہ ایک جگہ بغیر کسی دریا
کے سب سور پنکھی ڈوب گئے۔ کسی کا پتہ ہی نہیں رہا۔
تھوڑی دیر میں بڑھوا اور بھٹوا کی ڈونگیاں آئیں۔ تو بڑھوا
بولے :- "میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہاں ہمارے بھائی مصیبت
میں پڑ گئے ہیں ڈبکی لگا کر دیکھا جائے۔"
بھٹوا بولا :- "مرنے دو۔ مجھے خوشی ہے۔"

بڑھوا بولا :- "ایسی بات نہ کہو بھائی۔ میں کم میں
رہی باندھ کر اترتا ہوں۔ جو نہی۔ سی میں کھپا ڈاؤں گے
اتھا لینا" یہ کہہ کر بڑھوا نے ڈبکی لگائی اور بھٹوا بیٹھا۔
بڑھوا نے پاتال میں پہنچ کر دیکھا کہ ایک لمبی ٹرنگ

ہے۔ بدھوا سرنگ میں داخل ہوا۔ وہاں ایک راج محل
 ملا۔ وہ بہت ہی خوبصورت تھا۔ لیکن وہاں نہ تو کوئی آدمی
 تھا نہ آدم زاد۔ وہاں ایک سو سال کی بڑھیا بیٹھی گڈھی
 سی رہی تھی۔ اُس نے بدھوا کو دیکھتے ہی گڈھی پھینک
 کر ماری۔ فوراً ہی ہزاروں سپاہی آکر بدھوا کو باندھ کر
 راج محل میں لے گئے۔ وہاں کماروں نے اُس کا استقبال
 کیا۔ بدھوا نے کہا: ”اچھا“ یہ ہے نیکی کا بدلہ۔“

اگلے دن وہ مرا ہوا دکھائی دیا۔ تو باندیوں نے اُسے
 اٹھا کر پھینک دیا۔ بدھوا مرا تو تھا نہیں۔ یوں نہیں مگر کئے
 پڑا تھا۔ ادھر ادھر نظر دوڑا کر بدھوا نے دیکھا کہ راج
 محل کی تیسری منزل پر بادلوں کے رنگ کے بال دالی
 راج کمار سی سونے کے طوطے کے ساتھ بات کر رہی ہے
 بدھوا درختوں سے ہوتا ہوا چھت پر پہنچا۔ اُس وقت راج
 کمار سی سونے کے طوطے سے کہہ رہی تھی: ”سونے کے
 طوطے، چاندی کے چپو اور ہیرے کی پتوار بے کار گئی
 کوئی آیا ہی نہیں۔“

راج کمار سی کے بالوں میں موتی کا پھول تھا۔ بدھوا
 نے آہستہ سے اُس پھول کو لے لیا۔ طوطے نے راج کمار
 سے کہا: ”دیکھو تو تمہارا پھول کدھر گیا؟“

راج کماری نے بانوں میں ہاتھ ڈال کر دیکھا۔ کہ پھول
 نہیں ہے۔ اب طوطا بولا:- "تمہارا دُلہا آگیا۔"
 کلاوتی نے پیچھے مڑ کر جب دیکھا۔ کہ ایک بندر ہے
 تو وہ دُکھ کے مارے پچھاڑ کھا کر گبر پڑی۔ لیکن راج
 کماری کیا کرتی۔ اُس نے جو شرطیں رکھی تھیں۔ وہ
 پوڑی ہو گئیں۔ اس لئے بدھوا کو پتی تو بنانا تھا ہی۔
 ہوش میں آ کر اُس نے بندر کے گلے میں مالا ڈال
 دی۔ اب بدھوا نے ہنس کر پوچھا:- "راج کماری تم
 کس کی ہو؟"

راج کماری بولی:- "پہلے میں ماں باپ کی تنہی پھر
 میں اپنی ہوئی۔ اب میں تمہاری ہوں۔"
 بدھوا بولا:- "اگر ایسا ہی ہے تو تم میرے بھائیوں
 کو چھوڑ دو۔ اور میرے ساتھ میرے گھر چلو۔ میری
 مائیں تمہارا انتظار کرتی ہوں گی۔"
 راج کماری بولی:- "تم مجھے یوں نہیں لے جا
 سکو گے۔ میں اس دُبیلا میں بیٹھتی ہوں۔ تم مجھے اسی
 دُبیلا میں بٹھا کر لے چلو۔"

بدھوا نے ایسا ہی کیا اتنے میں طوطے نے
 نقارے پر چوٹ ماری اور فوراً بازار لگ گیا۔ راجکمار

والی ڈبیا دوکان داروں کی ڈبیوں میں مل گئی۔
 بدھوا نے دیکھا کہ یہ تو اچھا تماشا ہے اُس
 نے نقارے پر پوٹ ماری۔ دائیں پوٹ مارتا تو بازار
 بتا اور بائیں پوٹ مارتا تو بازار اٹھ جاتا۔ بس بدھوا
 نے جیسا بندہ کی عادت ہے۔ ایک بار دائیں اور
 پھر بائیں پوٹ مارنا شروع کی۔ ایک منٹ میں کئی
 کئی بار بازار بسا اور اُبھرا۔ دوکان دار مال رکھتے
 ڈھوٹے تھک گئے۔ آخر اُنہوں نے بدھوا کو اُس
 کی ڈبیا واپس کی اور ہاتھ جوڑے۔

بدھوا نے ڈبیا لے لی۔ ساتھ ہی ساتھ نقارہ
 بھی لے لیا۔ راج کمار کی نے نکل کر کہا کہ بھوک
 لگی ہے۔ درخت سے پھل لے آؤ۔ بدھوا پھل اپنے
 گیا۔ وہاں پھل تو بہت عمدہ تھے۔ لیکن درخت کے
 نیچے ایک اجگر پھنکار رہا تھا۔ بدھوا نے سوت کا
 دھاگا نکالا اور اپنی کمر سے وہ دھاگا باندھ کر
 درخت کے کئی چکر لگائے۔ پھر دھاگے کو کس دیا
 تو اُس میں لگے ہوئے مانجھ کے سبب اجگر کے کئی ٹکڑے
 ہو گئے۔ اس کے بعد بدھوا پھل لے آیا۔ پھر بدھوا
 نے اپنے پانچوں بھائیوں کو معہ اُن کے لشکر اور

سامان کے ایک ساتھ باندھ لیا۔ بڑھیا کی گڈڑی چھین لی اور پھر پیٹھ کی رسی کو کھینچی۔ مجھتوا نے اُسے اُوپر سے کھینچ لیا۔ فوراً سب لوگ اُوپر آ گئے۔ اور ملاخوں نے مور پنکھیوں کو چلا دیا۔

بڑھوا جا کر مور پنکھی کی چھت پر بیٹھا اور اُوٹو مستول پر بیٹھ گیا چھت پر بڑھوا ڈبیا کے اندر کسی سے بات کرتا تھا۔ پتوار والے طاح نے پانچوں راج کماروں کو یہ خبر دی۔ راج کماروں نے کہا :- ”اچھا یہ بات ہے“

جب رات گہری ہوئی۔ اور سب لوگ سو گئے تو راج کماروں نے جا کر بڑھوا کی ڈبیا چُرا لی۔ اور اُسے نقارے اور گودڑی سمیت پانی میں دھکیں دیا۔ مجھتوا مستول پر تھا۔ اُسے ایک تیر مار کر پانی میں ڈال دیا۔ پھر ڈبیا سے راج کمار کی نکال کر اُس سے راج کماروں نے پوچھا :- ”اب بتاؤ کہ تم کس کی ہو؟“

راج کمار نے بولی :- ”نقارہ جس کا میں اُس کی“ راج کماروں نے اُسے مور پنکھی کی ایک کوٹھڑی میں قید کر لیا۔ مور پنکھی آ کر کنارے

پر لگ گئے۔ راج آئے رانیاں آئیں ساری رعایا
آئی۔ لوگوں کو معلوم ہوا کہ بادلوں کے رنگ کے
بال والی راج کمار کی لایا گیا ہے۔ رانیوں نے
راج کے مطابق دھان اور دودھ سے آشیر بادے
کر کلاوتی راج کنیا کا استقبال کیا۔ رانیوں نے پوچھا
:- ”راج کمار کی تم کس کی ہو؟“

راج کمار کی بولی :- ”نقارہ جس کا میں اُس کی“
ایک ایک کر کے رانیوں نے سب راج کماروں
کا نام لیا۔ اور پوچھا :- ”تم فلاں کی ہو؟“ اس پر
اُس نے پانچوں بار ’نہ‘ میں جواب دیا : رانیوں نے
کہا :- ”پھر ہم لوگ تمہیں کاٹ ڈالیں گے۔“

راج کمار کی بولی :- ”ایک پہینے تک میرا برت
ہے۔ یہ ختم ہو جائے تو پھر جو چاہے کرنا۔“
بھٹوا اور بدھوا کی مائیں ایک دن دُکھ کے
مارے ندی میں ڈوبنے جا رہی تھیں۔ کہ اتنے میں
بھٹوا اور بدھوا ماں ماں کہتے ہوئے آگے۔ اگلے
دن اُن کی جھونپڑیوں کے پاس نقارے کی بدولت
بڑا بھاری بازار لگا۔ اور سب درختوں میں ایک سے
ایک بڑھیا پھل لگ گئے۔ پھر دیکھا گیا کہ ہزاروں

سپاہی پہرے پر ہیں - راجہ کے پاس خبر گئی - اُدھر
 کلاوتی نے بھی کہا کہ میرا برت پلورا ہو گیا - اب
 مجھے مارنا ہو ماریے - کاٹنا ہو کاٹیں - راجہ کی
 آنکھیں کھل گئیں - اور اُنھوں نے حکم دیا کہ دھوم
 دھام کے ساتھ چھٹی اور چھوٹی رانی کو شاہی محل میں
 لایا جائے - پانچوں رانیوں نے سن کر دروازے
 بند کر دیئے - کلاوتی نے اُن کا استقبال کیا -

اگلے دن بہت دھوم دھام سے بدھوا کے ساتھ
 اُس راج کمار کی شادی ہوئی - اور بھتوں کے لئے
 ہیراوتی راج کمار کی مل گئی - نہ تو پانچوں رانیوں
 نے دروازے کھولے اور نہ پانچوں راج کماروں
 نے راجہ نے ان کے دروازوں کو باہر سے
 کانٹے اور مٹی لگوا کر بند کر دیا -

ایک دن رات کو بادلوں کے رنگ کے بال
 والی راج کمار اور ہیراوتی سو رہی تھیں - اُنھوں
 نے جا کر دیکھا - کہ اُن کے پلنگوں پر بندر اور اُتو
 کی کھال رکھی ہے - دونو راج کماروں نے باہر جھانکا
 تو دو بہت خوبصورت راج کمار راج محل پر پہرا دیتے
 ہوئے دکھائی دیئے - اب دونوں نے ایک تدبیر سے

ان کی کھالوں کو جلا ڈالا۔ کھالوں کی بدبو سے دونوں
 راج کمار بھاگ آئے۔ اور انھوں نے کہا: "تم لوگوں
 نے یہ کیا کیا؟" لیکن راج کمار یوں نے کہا: "ہم نے
 اچھا کیا۔"

راجہ بہت خوش ہوئے۔ بدھوا کا نام بدھ کمار اور
 بھتوا کا نام روپ کمار رکھا گیا۔ اور سب لوگ مسکھ
 سے رہنے لگے۔



گھوڑا بہت زور سے اوپر آسمان کی

طرف اڑا اور ساتھ ہی راجہ مار

کو بھی لے گیا

سوراشٹر کی لوک کہانی

پستی لئی گرتو

کاٹھ کا گھوڑا

پانچ ننگے میں چکود شنگھ نام کا ایک دھرماتا راجہ راج
کہتا تھا۔ بیاہ کے کئی برس گزرے جانے پر بھی اس کے
کوئی بیٹا نہ بہا تھا اس لئے برہمنوں اور پنڈتوں کے کہنے

پر اُس نے چھوٹا شہر کی پوجا شروع کی۔ کچھ دن بعد شہر
 کی مہربانی سے اُس کے ہاں ایک بہت خوبصورت بچہ پیدا
 ہوا۔ ساتویں برس راجکار کو ایک پانچ سالہ بیٹا پڑھنے
 کے لئے بھیجا گیا۔ وہاں ایک بڑھی کے لڑکے سے اُس کی
 بہت گہری دوستی ہو گئی۔ اُن دنوں میں محبت اتنی زیادہ بڑھ
 گئی کہ راجہ اور جہادریوں کو بہت فکر ہوئی اور وہ انہیں
 ایک دوسرے سے الگ کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ لیکن
 راجکار کسی کی بھی بات نہیں سنتا تھا۔ اُس نے سب سے کہہ
 رکھا تھا کہ اگر کوئی میرے دوست کی بے عزتی کرے گا اور
 اُسے ناراض کرے گا تو میں اپنی جان دے دوں گا۔ آخر
 بڑھی کے لڑکے نے خود ہی اپنی دانائی سے راجکار سے الگ ہونے
 کی ایک ترکیب سوچی۔ وہ اس کی اجازت لے کر بڑھی کا کام
 سیکھنے کے لئے دُور کسی نگر میں چلا گیا۔ راجکار کو اس سے
 دُکھ تو بہت ہوا۔ لیکن اُس نے اپنے دوست کی بھلائی کا
 خیال کر کے اُسے جانے کی اجازت دے دی۔ جاتے ہوئے
 اس نے بڑھی کے لڑکے سے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ واپس
 آتے ہوئے اُس کے لئے کوئی حیران کر دینے والی چیز لے کر
 آئے گا۔

بڑھی کا لڑکا کسی اچھے اُستاد کی تلاش میں ادھر ادھر

بھیجتا رہا۔ دُور بہت دُور ندی نالے پار کر کے کئی گاؤں
بستیاں اور شہروں سے گزر کر وہ ایک نگر میں پہنچا
جہاں ایک بہت بڑے کاریگر سے اُس کی ملاقات ہوئی۔
کاریگر نے بہت پیار سے بڑھئی کے لڑکے کو اپنے پاس
رکھا اور کام سکھانے لگا۔ آٹھ برس تک لگاتار محنت
کرنے کے بعد وہ ایک ماہر کاریگر ہو گیا۔ کاریگر نے ایک
دن اس سے کہا۔ ”اب تم اپنے گھر جا کر دولت اور شہرت
حاصل کر سکتے ہو۔“

بڑھئی کے لڑکے نے جواب دیا۔ ”میں اپنے نگر میں اُس وقت
تک نہیں گھس سکتا جب تک اپنے پیارے دوست راجمار
کے لئے کوئی حیران کن چیز نہ لے جاؤں۔“

کاریگر اُسے اُسی وقت گودام میں لے گیا اور اُس
نے اُسے ایک خوبصورت کاٹھ کا اڑنے والا گھوڑا دیا جو
گھومنے والے بیچوں کی مدد سے آسمان میں اڑتا تھا۔ کاریگر
نے گھوڑے کو اڑانے اور روکنے کی ترکیب اُسے سمجھا
دی۔ گھوڑا پا کر بڑھئی کا لڑکا بہت خوش ہوا اور شکرگزار
دل کے ساتھ اپنے نگر میں پہنچا جہاں اُس کا خوب
دھوم دھام سے استقبال کیا گیا۔

نوجوان بڑھئی نے وہ گھوڑا اپنے دوست راج مار

کو دکھایا۔ دوسرے دن صبح وہ دونوں گھوڑے کی آزمائش کرنے کے لئے ایک باغ میں گئے۔ راجکمار گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور غود سے اس کی جانچ پڑتال کرنے لگا نہ جانے کب اور کس طرح اُس کی اُنکھی اصلی تیج کو چھو گئی۔ گھوڑا بہت زور سے اوپر آسمان کی طرف اُڑا اور ساتھ ہی راجکمار کو بھی لے گیا۔ بڑھئی کا لڑکا بھونچکا سا منہ بنائے آسمان کی طرف کھڑا دیکھتا رہ گیا۔ کچھ دیر بعد راجکمار کی تلاش کے لئے چاروں طرف دوڑ دھوپ ہونے لگی۔ بڑھئی کے لڑکے نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ لیکن کسی کو یقین نہ آیا اور شک میں پکڑ کر اُسے قید میں ڈال دیا گیا۔

ادھر آسمان میں اڑتے ہوئے راجکمار نے ہر طرح سے کوشش کی کہ کسی طرح گھوڑے کی تیز چال کم ہو جائے لیکن اُسے کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر بہت دیر کے بعد اچانک اُس کا ہاتھ ایسے پُرزے پر پڑ گیا جس سے اڑتا ہوا گھوڑا ٹھہر گیا اور کنک پور میں جا کر رُکا۔ زمین پر اُنتر کر راج کمار کو نزدیک ہی ایک چھوٹا سا خوبصورت باغیچہ دکھائی دیا۔ وہ اُسی میں گھس گیا اور عدخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں پڑ کر سو گیا

باغیچے میں راجہ کی مالک رہتی تھی۔ اُس نے سوتے ہوئے راجہ کمار کو جگایا اور اُس کی دُکھ بھری کہانی سن کر بیٹے کی مانند اُسے اپنے پاس رکھ لیا۔ وہ وہاں نہایت آرام سے رہنے لگا۔ مالک ہر روز کنک پود کی راجکاری کے لئے خوشبودار پھول، مار، گلہستے وغیرہ سجا کر لے جایا کرتی تھی۔ ایک دن خود راجکار نے راجکاری کے لئے ایک بہت خوبصورت گجرا گوندھا اور اُس میں اپنے ماتھے کی انگوٹھی بھپا کر رکھ دی۔ راجکاری گجرا اور انگوٹھی پا کر بہت خوش ہوئی۔



بڑھئی کا لڑکا بھونپکا سامنے بنائے آسمان کی طرف دیکھتا کھڑا رہ گیا!

وہ انگوٹھی والے راجکمار کو دیکھنے کے لئے بے تاب ہو اٹھی اور اُس نے
خفیہ طور پر اُسے اپنے محلوں میں بلایا۔ راجکمار کاٹھ کے گھوڑے پر
چڑھ کر آسمان کی راہ سے محل میں داخل ہوا وہاں دونوں نے چُپ
چاپ بغیر کسی کو بتائے آپس میں بیاہ کر لیا۔

بہت دنوں تک محل میں رہتے رہتے راجکمار کا جی بھر گیا
اس لئے ایک دن چُپ چاپ وہ راجکمار کی ساتھ گھوڑے کی
پیٹھ پر بیٹھ کر آسمان میں اُڑ چلا۔ گھوڑا ایک سنسان گھنے جنگل
میں جا کر رکا۔ راجکمار بہت تھک گئی تھی۔ اُسے زور کی پیاس
بھی لگی تھی اُس پاس پانی ملنا مشکل تھا۔ اس لئے راجکمار گھوڑے
پر چڑھ کر اُس کے لئے پانی ڈھونڈنے چلا گیا اور وہ وہاں
ایکلی رہ گئی۔ جب راجکمار گھوڑے پر چڑھا ہوا بہت تیزی سے
اُڑا آ رہا تھا تو اچانک اس کا گھوڑا پہاڑ کی چوٹی سے ٹکرا کر
ایک بڑی ندی میں جا گرا۔ ادھر راج کمار کی پیاس سے بیکل ہو
کر بے ہوش سی ہو رہی تھی۔ اُس وقت اس کے ایک خوبصورت
بیٹا پیدا ہوا۔ وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔ نئے پیدا
ہوئے بچے کو ایک بھیڑیا اُٹھا کر لے گیا۔

ندی میں گرنے پر راجکمار کو ایک بہت بڑی مچھلی نے نکل
لایا۔ لیکن اُسی وقت وہ مچھلی ایک ماہی گیر کے جال میں پھنس
گئی۔ اور اس طرح مچھلی کو چیرنے پر راجکمار کی جان بچ گئی

راجہ کمار کی خوبصورتی اور دانائی سے ماہی گیر پر اتنا زیادہ اثر ہوا
 کہ اس نے اپنی ناؤ مکان اور مچھلی کا بیوپار وغیرہ سب کچھ اس کے
 سپرد کر دیا۔ راجہ کمار جلد ہی ایک ہوشیار بیوپاری ہو گیا۔
 ادھر بارش کی ہلکی مچھل سے راجہ کمار کی بے ہوشی مٹ
 ہوئی اور جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ وہ اپنا بچہ اور شوہر دونوں
 گنوا بیٹھی ہے تو دُکھ سے پائیں سی ہو گئی۔ رات گڑھتی بھوک
 اور پیاس سے پریشان ہو کر وہ ادھر ادھر ٹھکتی رہی۔ آخر وہ
 کوئل پور پہنچی جہاں ایک بوڑھی جادو گرانی نے اُسے اپنی پناہ
 میں لے لیا۔ بڑھیا بہت امیر تھی اور اس نے ایک تالاب
 کے درمیان اپنا محل بنوا رکھا تھا۔ راجہ کمار بہت آرام سے اس
 کے پاس رہنے لگی اور اس کے مرنے کے بعد اُس کی دولت اور
 محل کی مالکین ہو گئی۔ وہ پھر پہلے کی طرح شان سے رہنے لگی۔
 راجہ کمار کا بچہ جیسے بھیڑیا اُٹھا کر لے گیا
 تھا ایک شکاری راجہ کے ہاتھ پڑ گیا۔ اُس کے کوئی بیٹا نہ
 تھا۔ وہ ایسا خوبصورت بچہ پا کر بھولا نہ سمایا اور اُس نے
 جا کر اُسے اپنی رانی کو سوئپ دیا۔ رانی اپنے بیٹے کی طرح اسے
 پالنے لگی اور شاہی ٹھاٹھ میں وہ بچہ بڑا ہونے لگا۔
 بوڑھے راجہ کے مرنے کے بعد رانی نے اُسے اپنے شوہر کے
 تخت پر بیٹھا دیا۔ ایک دن راجہ شکار کے لئے گیا۔ کوئل پور

میں تالاب کے محل سے جھنکی ہوئی اسے خوبصورت رانی کی حقارت
 سی جھک دکھائی دی۔ اُس نے سوچا کہ اس خوبصورت عورت
 کی شناسی وہاں میں ہلایا جائے۔ اس نے حاضر ہونے کا حکم بھیجا
 لیکن رانی نے انکار کر دیا۔ اچکارہ کو اس پر بہت غصہ آیا
 اور اُس نے زبردستی اسے پکڑوا کر منکایا۔ جیسے ہی آنسو بہا
 ہوئی رانی اس ملک کی سرحد میں داخل ہوئی یسے یسے
 شگون ہونے لگے اور غیب سے آواز آئی۔ ”راجکار! تمہیں معلوم
 نہیں ہے یہ تمہاری ماں ہے۔ اگر تم اس کی بے عزتی کرو گے تو
 زمین پتلاں میں دھنس جائے گی۔“ یہ سن کر راجکار کا دل دل
 گیا۔ منہ پھیکا پڑ گیا اور وہ شرم و حیا سے زمین میں گر گیا
 وہ دوڑ کر راج ماما کے پاس گیا اور اپنے اصلی ماں باپ کا
 حال جاننے کے لئے ضد کرنے لگا۔ راج ماما نے کہا۔ ”پیارے
 بیٹا! تو جنگواں کی طرف سے ہمارے پاس آیا تھا۔ ہمارا
 ایک بار جب شکار کھیلتے گئے تھے تو تو جنگل میں پڑا ملا تھا۔
 اسی دن سے تو میرا پیارا بیٹا ہے۔“

یہ سن کر نوجوان راجہ اُس نئی رانی کے پاس گیا اور
 اُس نے اُس سے پچھلی زندگی کی ساری باتیں پوچھیں۔ اُس نے
 اپنی دیکھ بھری کہانی راجکار کو کہہ سنائی۔ اُسے پورا یقین ہو
 گیا کہ یہی میری اصلی ماں ہے۔ وہ اس کے پاؤں پر گر کر معافی



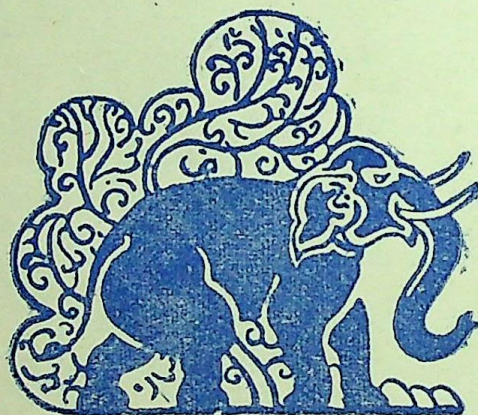
لطفِ وقتی ہوئی اپنے شوہر کے قدموں پر گر پڑی۔ ماں باپ اور بیٹے تینوں کا گلاپ بہت ہی اٹھکتا۔

ہانگے لگا۔ رانی نے بھی اپنے بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔ اب
راجہار اپنے کھوئے ہوئے باپ کو ڈھونڈ نکالنے کی کوشش میں
لگ گیا۔

اس واقعہ کے چند دن بعد ایک امیر بیوپاری ملک کی سرحد
پر اُترا۔ اس کے پاس بے شمار قیمتی ہواہرات اور ہیرے تھے
وہ دربار میں بھی پُلیا گیا۔ بیوپاری کا چہرہ راجہار کے چہرے
سے اتنا ملتا جلتا تھا کہ لوگ اچنبھے میں آکر ایک دوسرے کی
طرف دیکھ رہے تھے۔ راجہار کو بھی کچھ شک ہونے لگا۔ اُس نے
بیوپاری سے پوچھا۔ ”آپ اتنے امیر کس طرح ہوئے؟“
بیوپاری کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے اپنی پچھلی زندگی
کی کہانی کہہ سنائی۔ اُس نے کہا کہ ”میں اپنی پیاری بیوی کے کھو
جانے سے بہت دکھی ہوں۔“

ساری کہانی سننے کے بعد راجہار اپنے باپ کو پہچان گیا
اور اپنی ماں کے پاس لے گیا۔ رانی رقتی ہوئی اپنے شوہر کے
قدموں پر گر پڑی۔ ماں باپ اور بیٹے تینوں کا ملاپ بہت ہی
انوکھا تھا۔ سارے ملک میں جشن منایا گیا لیکن بڑا راجہ اتنی
خوشی اور پھل پھل میں بھی اداس تھا۔ اُسے وہ کہ اپنے
بڑھی دوست کی یاد آ رہی تھی جو اُس کے سبب ابھی تک قید
میں پڑا سڑ رہا تھا۔ اس لئے وہ اپنے کنبے اور کچھ سپاہیوں

کو لے کر اپنے ملک میں گیا جہاں بوڑھے راجہ رانی نے اُس کا
 خوب استقبال کیا۔ اُس نے فوراً بڑھی کے بیٹے کو قید سے باہر
 نکالا اور ایک خوبصورت عورت سے اُس کا بیاہ کر دیا۔ ملک میں
 خوب خوشیاں منائی گئیں۔ گھی کے دے جلانے گئے اور چاروں
 طرف خوشی ہی خوشی چھا گئی۔ راجہ اور بڑھی — دونوں دوست —
 اپنے اپنے گھر والوں کے ساتھ سکھ سے رہنے لگے ۛ



مارواڑ دیش کی لوک کہانی

چند کرن سون رکھا

لکشمی کا شیر واد

ایک دفعہ دھرم راج اور لکشمی لوگوں کی آزمائش کرنے کے لئے جاڑے کی ایک شام کو جب کہ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی کمزور بوڑھے اور بڑھیا کی صورت بنا کر اس دنیا میں آئے۔

شہر کے ایک امیر کے دروازے پر جا کر وہ پھانک کھٹکانے لگے۔ دروازہ کھول کر سیٹھ جی نے جب انھیں دیکھا تو بگڑ کر بولے: "اے کیچڑ بھرے پاؤں سے سارے دالان میں مٹی پھیلا دی۔ بھاگو یہاں سے"

"سیٹھ جی ہم رات کے وقت کہاں جائیں۔ بڑھیا بگڑ گئی۔" سردی سے جان نکل رہی ہے۔ کہیں ٹھکانے کو جگہ دے دو۔" لیکن سیٹھ نے دروازہ بند کر دیا۔ ان دونوں کو روشنی میں سیٹھ کے ٹل کے پاس ہی ایک

ٹوٹا مچھوٹا سا گھر دکھائی دیا۔ اُس کے ٹوٹے کواڑ
میں سے دیے کی روشنی کی ایک کرن بھی دکھائی
دی۔ بوڑھے نے بڑھیا
سے کہا:- ”آؤ چلو اُس
گھر میں ہی آسرا مانگ
کر دیکھیں“



”سیٹھ جی ہم رات کے وقت کہاں جائیں؟“
بڑھیا گڑ گرائی۔ ”سروے سے جان نکل
لہی ہے۔ کہیں بیٹرنے کو جگہ دے دو۔“

بڑھیا نے کہا:- جب
اتنے بڑے سیٹھ نے اپنے
ہاں جگہ نہیں دی تو یہ
کنگال کیا دیں گے۔ اور
ٹھہرنے کو جگہ مل بھی
گئی تو رات بھر میں بغیر
اودھنے بچھونے کے ان
پھٹے بھیگے کپڑوں میں جان
ہی نکل جائے گی۔“ بوڑھا
بولاً:- ”پتھر بھی ہو مجھ سے
تو اب اور چلا نہیں جاتا“

اور اُس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ دوسرے ہی
لمحہ ہاتھ میں دیا تھامے ٹیلی پکلی دھوٹی پہنے ایک عورت

نے دروازہ کھولا۔ اُن دونوں کی حالت دیکھتے ہی وہ
ہمدردی کے سے ہلچے میں بولی :- ”ہائے ! ہائے ! بابا
تم اس اندھیری رات میں کہاں بھٹک رہے ہو۔ آؤ
آؤ اندر آ جاؤ“

اُنھیں سہارا دے کر وہ اندر لے گئی۔ چھوٹی
سی کوٹھڑی میں صرف دو ٹوٹی چھوٹی چار پائیاں پرہی
تھیں۔ اُن میں سے ایک کو خالی کر کے عورت نے
اُن سے بیٹھنے کو کہا۔ بوڑھے بڑھیا کے کپڑوں کا پانی
ٹپکنے سے کوٹھڑی گیلی ہو چلی تھی۔ لیکن اُس عورت نے
اس کی ذرا بھی پروا نہ کر کے جلد جلد اسیسی میں آگ
سُلا کر اُنھیں تاپنے کو کہا۔ پھر الگنی پر سے دو پُراے
مگر دھلے ہوئے کپڑے لا کر بولی :- ”بابا ! آپ لوگ
اپنے بھیگے ہوئے کپڑے اتار کر انھیں پھیٹ لو۔ کیا
کمروں میں بہت غریب ہوں۔ اس لئے انھیں دو کپڑوں
میں گزر کر فی ہوگی۔ آپ کے کپڑے میں پھوڑ کر
پھیلا دوں گی۔“

اُنھیں کپڑے بدلا کر وہ دالان میں گئی۔ اودھتیں
کی دو چھوٹی چھوٹی تھالیوں میں بتموے کا سناگ اور
باجرے کی روٹی رکھ کر لے آئی۔ اُس نے بڑھیا سے

کہا:۔ "آج میرے گھر میں یہی بھگوان کا پر ساد ہے۔ مجھے
بہت دکھ ہے کہ نہ تو گھر میں گھی ہے۔ نہ دودھ اور
نہ چینی۔"

دونوں نے کہا:۔ کوئی بات نہیں بیٹی ہمیں تو اس
کھانے میں من آرہا ہے۔"

تھوڑی دیر میں اُس عورت کا شوہر بھی آگیا۔ وہ
بے چارہ بھی روزگار کی تلاش میں دن بھر پھرتا رہا تھا۔
اور اب تمکا ماندہ واپس آ رہا تھا۔

بیوی نے مہانوں کو کھانا بکھلا دینے کی بات اُسے
چپکے سے دروازے پر ہی بتا دی تھی۔

وہ بھی بہت خوش ہوا۔ پھر دونوں نے اپنے بچھوٹے
اُن دونوں بوڑھوں کو دے کر اُنھیں تو کھاٹ پر سٹلا
دیا۔ اور آپ دونوں ایک پھٹا ٹاٹ اوڑھ کر زمین پر
لیٹ گئے۔

صبح مُند اندھیرے ہی جب پانی بند ہو گیا تو وہ
بوڑھا بڑھیا جانے لگے۔ سرلا (عورت) نے اُنھیں ہاتھ
جوڑ کر سوجھ نکلتے تک روکا۔ پھر گھر میں جو تھوڑے
سے چنے پڑے تھے۔ اُنھیں پس کر آٹا گوندھا اور
روٹیاں بنا کر اُن کے ساتھ باندھ دیں۔ اور کہا:۔ ماں

ہم غریب ہیں - جیسی خدمت کر تی چاہئے - ویسے نہ ہو
سکی - اُمید ہے آپ معاف کریں گے۔“

بڑھیا نے جواب دیا:۔ ”بیٹی! ہم غریبوں کی جو خدمت
تُو نے کی - اُس کا پھل تجھے بھگوان دیں گے - مگر آج
تُو جس چیز کو چھوئے گی وہ دن بھر خالی نہ ہوگی“
وہ لوگ چلے گئے - تو سرلا کو اپنی بھروسے کی
ہانڈی کو صاف کرنے کا خیال آیا - رسوئی میں جا کر اُس
نے ہانڈی اٹھائی تو دیکھ کر حیران رہ گئی - اُس ہانڈی میں
اشرفیاں بھری ہوئی تھیں - اب جو اُس نے اُسے اُٹھا کر
دیکھا تو وہ دوبارہ بھر گئی - وہ اُن اشرفیوں کو اٹھا
کر رکھتی مگر ہانڈی میں اور بھر جاتیں - دن بھر میں
اُس کی کوٹھڑی اشرفیوں سے بھر گئی - بس پھر تو
اُس کے شوہر نے اُن اشرفیوں کو بیچ کر شاندار
مکان مول لے لیا - کپڑے کی ایک دوکان کھول لی - گھوڑا
گاڑی اور ٹم ٹم خرید لی - اور وہ سکھ سے رہنے لگے
اُس سیٹھ کو جب یہ خبر ملی کہ اُس کے غریب
پڑوسی ایک رات میں ہی امیر ہو گئے ہیں تو اُس
نے سرلا اور اُس کے شوہر کو بلا کر سبب پوچھا -
سرلا نے سادہ دلی سے سبب کہانی سنا دی -

اب تو سیٹھ اور سیٹھانی کو رات دن یہی فکر رہنے لگی کہ کسی نہ کسی طرح وہ کراماتی بوڑھا بڑھیا مل جائیں تو وہ بھی ہندیا بھر اشرفیاں حاصل کریں۔

دیوتا لوگ تو خواہش کرتے ہی انسان کے دل کی بات جان لیتے ہیں۔ ایک رات جب بھبت زور کا پانی برس رہا تھا۔ اور اوسے پڑ رہے تھے۔ تو وہی بوڑھا بڑھیا پھر اُسی سیٹھ کے دروازے پر پہنچے۔ دروازے پر کھٹ کھٹ سننے ہی سیٹھ نے بجلی کی روشنی میں سے جھانک کر اُنھیں پہچان لیا۔ اور جلد جلد اپنی عورت کو اُنھیں لینے بھیجا۔ بجلی بجھا کر ایک دیا ہاتھ میں لئے سیٹھانی باہر آئی۔ اور جھوٹی محبت دکھا کر بولی: "ہائے! ہائے!! بابا تم کہاں بھٹک رہے ہو آؤ اندر جاؤ" پھر گھر کی سب سے ٹوٹی چارپائی پر اُنھیں بٹھا دیا۔ گھر میں بے شمار گرم کپڑے ہوتے ہوئے بھی وہ ان کے لئے دو پچھٹے پُرانے کپڑے لے آئی۔ اور بولی: "بلیا گھر میں اس وقت یہی موجود ہیں"۔ پھر اُن سے بغیر پوچھے ہی گھر میں پڑی ہوئی سب سے پُرانی اور گھسی ہوئی تھالیوں میں تھوڑے کا ساگ اور جوار کی روٹی بھی لے آئی۔ اور اُنھیں کو دو پچھٹے کبیل بھی کہیں سے منگا دیئے۔ پھر سیٹھ سیٹھانی بھی اُسی کمرے میں گدے بٹھا کر زمین پر لیٹ رہے۔

صبح سنہ اندھیرے ہی جب بوڑھا بڑھیا جانے لگے۔ تو سیٹھانی
نے چنا پس کر روٹی بنائی اور اُن کے ساتھ باندھ دی
اور بولی :- "ماں ہم بھت کنگال ہیں۔ آپ کی خدمت نہ کر
سکے۔ اُمید ہے آپ ہمیں معاف کریں گی۔"

بڑھیا نے کہا :- "بیٹی جیسی خدمت تو نے کی اُس کا پھل
تجے بھگوان دے گا۔ ہاں آج تو جس کام کو ہاتھ میں لے گی
وہ دن بھر ختم نہ ہو گا۔"

اُن لوگوں کے جاتے ہی سیٹھ سیٹھانی میں جھگڑا ہو پڑا۔
سیٹھ چاہتا تھا کہ بھروسے کی ہنڈیا میں کھولوں اور سیٹھانی چاہتی
تھی کہ میں کھولوں۔ آخر دونوں نے ایک ساتھ ہنڈیا بکڑی
اس چھینا جھپٹی میں ہنڈیا ٹوٹ گئی اور کمرے میں بھجوا ہی بھجوا
بکھر گیا۔

سیٹھانی جھاڑو لے کر کرا دھونے لگی۔ اب وہ تو کمرہ صاف
کرتی اور کمرے میں فوراً ہی سرٹا ہوا بھجوا چھو بکھر جاتا۔ صبح سے
شام تک اُسے کرا ہی صاف کرنا پڑا۔

ٹھیک ہے جس کی جیسی نیت ہوتی ہے۔ بھگوان اُسے ویسا
ہی پھل دیتا ہے۔



وید تندرگو پال

وندھیر فریش کی روک کہانی

بیل کماری

ایک راجہ کے سات بڑے تھے۔ چھو کا بیاہ ہو چکا تھا۔
 سب سے چھوٹا راج کمار کنوارا تھا۔ چھوٹا راج کمار جب
 بڑھنے لگا تھا تو ہر روز اُس کی چھوٹی بھائی اُسے یہی آشریاد
 دیا کرتی، "تمہیں بیل کمار دی ملے۔"
 چھوٹے راج کمار نے ایک دن پوچھا: "بھائی! بیل کمار
 کہاں ملے گی؟"

بھائی نے کہا: "یہاں سے سات ندی پار ایک جنگل ہے
 اُس میں ایک تالاب ہے۔ اُس تالاب میں ہی بیل کمار دی ہوتی ہے۔"
 ایک دن بہت سویرے اُٹھ کر چھوٹا راج کمار محل
 سے چل دیا۔ چلتے چلتے سات ندیاں پار کر کے وہ ایک
 تالاب کے کنارے پہنچا۔ وہاں ایک ٹھنی کی جھونپڑی تھی۔
 راج کمار نے اُسے پر نام کیا۔ ٹھنی نے پوچھا: "بیٹا! تم
 کہاں سے آئے ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟"

راج کمار نے کہا: "مُنی جی! میں بیل کمار دی کے لئے آیا ہوں۔"

مُنی نے کہا: "اس تالاب کو دیکھتے ہوتا؟ اس کے درمیان ایک ٹاپو ہے۔ اُس ٹاپو پر بیل کا ایک درخت ہے اُس پیڑ میں بیل کا ایک ہی پھل لگا ہے۔ بیل کمار دی اُسی بیل میں سوئی ہوئی ہے۔ لیکن وہاں جا کر اُسے لے آنا مشکل ہے۔ کیونکہ وہاں راکٹسوں کا پہرا ہے۔"

راج کمار نے پوچھا: "اُن سے پنج کر بیل کمار دی کو لے آنے کی کوئی ترکیب بھی ہے؟"

مُنی نے کہا: "ہاں یہ ترکیب ہے۔ کہ کوئی آدمی اُس تالاب کو ایک سانس میں پار کر جائے۔ بیل کے درخت سے ایک بکرا بندھا ہوگا۔ بکرے کو کھول کر راکٹسوں کے سامنے کر دے۔ راکٹس اُسے کھانے لگیں پھر وہ فوراً درخت پر چڑھ جائے اور بیل کو توڑ کر پانی میں کود پڑے اور بغیر سانس توڑے تیر کر اس پار چلا آئے۔ یہ سب کام ایک سانس میں ہوتا چاہئے۔ کیونکہ سانس ٹوٹتے ہی راکٹس اُسے کھا جائیں گے۔"

راج کمار نے ہمت کی۔ وہ ایک سانس میں جا کر بیل کو مُنی کے پاس لے آیا۔

مُنی نے کہا۔ ”بیٹا! اس بیل کے پھل کو گھر لے جا کر پھوڑنا
اس کے اندر سے بیل کماری نکلے گی۔ لیکن خرداد رستے میں
اسے نہ توڑنا نہیں تو نقصان اٹھاؤ گے۔“

راج کمار مُنی کو پرنام کر کے بیل لے کر اپنے گھر
کی طرف چل دیا۔ کئی جنگل اور پہاڑ پار کرتے کرتے
ایک شام وہ ایک تالاب کے کنارے پہنچا۔ راج کمار
بہت تھک گیا تھا۔ وہاں بیٹھ کر سستانے لگا۔ تالاب بہت
نوبصورت تھا۔ چاروں طرف ہرے ہرے کھیت لہلہا رہے تھے
پہلے سے پہچھا رہے تھے۔ راج کمار نے سوچا۔ ”لاؤ بیل
کو پھوڑ کر بیل کماری کو نکالیں تو سہی۔ کہیں مُنی نے دھوکا
نہ دیا ہو۔“

راج کمار نے پھل توڑ ڈالا۔ اُس میں سے بیل کماری
نکلے۔ بیل کماری بہت نوبصورت تھی۔ راج کمار نے کہا۔
”راہی! میں تھک گیا ہوں۔“

بیل کماری نے کہا۔ ”میری گود میں سر رکھ کر سو جاؤ۔“
راج کمار سو گیا۔ اُسی گھاٹ پر لوہار کی ایک لڑکی پانی
بھرنے آیا کرتی تھی۔ وہ آئی اور اُس نے پوچھا۔ ”بہن! تم
کون ہو؟“

بیل کماری نے کہا۔ ”یہ راج کمار ہیں۔ ان کے ساتھ میرا

بیاہ ہو گا۔“

یہ سن کر لوہار کی لڑکی کے دل میں کپٹ پیدا ہوا۔ وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگی :- ”ہائے ! میں بہت بد نصیب ہوں۔ میری ماس ٹھہرے پانی بھرتی ہے۔ بھلا میں اتنا بڑا گھڑا تالاب میں سے بھر کر اُدھر کس طرح آؤں؟“

یہ کہہ کر وہ رونے لگی۔ بیل کماری کو اُس پر تیرس آیا۔ اُس نے راج کمار کے سر کے نیچے اپنی ریشمی چادر کا ٹکڑا بنا کر رکھ دیا۔ اور اُٹھ کر لوہار کی لڑکی کا گھڑا لے کر وہ تالاب میں پانی بھرنے کے لئے جھکی۔ لوہار کی لڑکی نے چپکے سے اُس کے پیچھے جا کر اُسے دھکا دیا۔ کہ وہ تالاب میں گر گئی اور ڈوب گئی۔

لوہار کی لڑکی راج کمار کے پاس آئی اور اُس کا سر اپنی گود میں لے کر بیٹھ گئی۔ راج کمار جب جاگا تب اُسے ایک خوبصورت بیل کماری کے بدلے ایک بد صورت لڑکی کو دیکھ کر بہت حیرانی ہوئی۔ وہ سوچنے لگا :- ہونہ ہو یہ سُنی کا حکم نہ ماننے کی سزا ہے۔ ہائے ایسے نے بیل کو دھاکے میں کیوں پھونسا؟

لوہار کی لڑکی کو لے کر وہ اپنے گھر پہنچا۔ بہت دن گزر گئے۔ لوہار کی لڑکی رانی کی طرح ننگی رہنے لگی۔ ایک

دن ساتوں بھائی شکار کو نکلے۔ شکار کرتے کرتے وہ اُسی تالاب



کے کنارے
آپہنچے۔ جہاں
لوہار کی لڑکی
نے بیل کمادی
کو دھکا دیا تھا
اُسی جگہ تالاب
میں کنول کا
ایک بڑا پھول
کھلا تھا چھوٹے
راجگہر کا دل
اُسے دیکھ کر
لپکا اٹھا وہ
کہنے لگا وہ آہا
کیسا خوبصورت
پھول ہے۔
کیسا رنگ
سے کیسی میٹھی

لیکن چھوٹے راجگہر نے تالاب کے کنارے جا کر کمان کو بڑھا کر
پھول کھینچ لیا اور دیکھا کہ اُسے توڑ دیا۔
خوشبو سہے۔ اتنا بڑا پھول کیسے ہو گیا ہے کہ اس نے لپکا ہی نہیں چاہا۔

جو بھی ہو میں تو یہ پھول لئے بغیر یہاں سے جاؤنگا نہیں۔
 بڑے راج کماروں نے کہا:۔ ”دیکھنا، پھول نہ توڑنا۔
 کہیں کسی راکش نے جادو نہ کیا ہو۔ کنول کا پھول کہیں
 اتنا بڑا ہوتا ہے؟“

لیکن چھوٹا راج کمار نہ مانا۔ تالاب کے کنارے جا کر
 کمان کو بڑھا کر اُس نے پھول کو کھینچ لیا اور ڈنڈی سے
 اُسے توڑ لیا۔

سب راج کمار گھر آئے۔ باقی تو طرح طرح کے جانوروں
 اور پرندوں کا لشکارہ کے آئے تھے۔ مگر چھوٹے راج کمار
 کے پاس صرف لالی رنگ کا ایک کنول تھا۔

چھوٹے راج کمار نے کنول کو اپنے محل میں لا کر رکھا
 ایک دن وہ سیر کے لئے باہر گیا ہوا تھا۔ لوہار کی لڑکی
 نے موقع دیکھ کر کنول کو کھڑکی کی راہ باہر پھینک دیا
 راج کمار نے واپس آ کر دیکھا تو وہاں پھول نہیں تھا۔ اُس
 نے نقلی بیل کمار ہی سے پوچھا تو اُس نے کہا۔ پھول مڑھیا
 رہا تھا۔ میں نے اُسے باہر پھینک دیا۔“

راج کمار نے کہا:۔ ”ہائے! بیل کمار ہی اٹھلا
 دل ایسا سخت ہے؟ بھلا اُس نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔
 وہ پھول جہاں گرا تھا۔ تھوڑے دن کے بعد وہاں بیل کا

ایک درخت آگ آیا۔ بڑا ہونے پر اُس میں ایک پھل لگا۔
مالی نے اُسے



توڑ لیا۔ گھر لے
جا کر اُس نے
اُسے پھوٹا تو
اُس میں سے
ایک بہت
خوبصورت لڑکی
نکل۔ مالی کے
کوئی اولاد نہ
تھی۔ لڑکی کو
پا کر وہ بہت
خوش ہوا۔ اور
اس سے بہت
پیار کرنے لگا۔
نقلی رانی
کو خبر ہوئی کہ

لوہار کی لڑکی نے موقعہ دیکھ کر پھول کو کھڑکی کی راہ باہر پھینک دیا۔

مالی کے گھرایک
دیو کنیا پیدا ہوئی ہے۔ وہ بہت گھرائی اور جان بوجھ کر

بیمار پڑ گئی۔ نقلی رانی کا ویدوں اور حکیموں نے بہت علاج کیا۔ لیکن کوئی روگ ہو تو دوا فائدہ بھی کرے۔ نقلی رانی نے ایک دن راج کمار سے کہا:۔ "میں نے رات خواب دیکھا ہے۔ کہ مالی کے گھر ایک لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ وہ ڈائن ہے۔ اُسے مار کر اُس کے لہو سے میں نہاؤں تو میرا یہ روگ جائے۔"

راج کمار نے اُسی وقت اُس لڑکی کا ہولانے کا حکم دیا۔ نقلی رانی اُس کے لہو سے نہائی۔ اور تب اُس کا روگ چھوٹا۔ مالی بے چارہ بہت روپا۔

مالی نے بیل کماری کے جسم کو لے جا کر اپنے باغ میں گاڑ دیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہاں پھر ایک بیل کا درخت اگا۔ بڑھتے بڑھتے وہ درخت بڑا ہو گیا اور اُس میں ایک بیل لگا۔

نقلی رانی سے راج کمار کی بنتی نہیں تھی۔ وہ سخت بد مزاج تھی۔ آئے دن بیماری کا کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے راج کمار کو پریشان کرتی تھی۔

ایک دن راج کمار کی ایک سادھو سے ملاقات ہوئی۔ سادھو نے راج کمار کی اداسی کا سبب پوچھا۔ راج کمار نے سب سب کچھ کہہ دیا۔ سادھو نے راج کمار کو ایک

انگوٹھی دی اور کہا:- اس انگوٹھی کے پہن لینے سے۔ تم پرندوں کی بولی سمجھ سکو گے۔ محل میں جی نہ لگے۔ تو باغ میں آکر چڑیوں سے کہانیاں سنا کر دو۔“

انگوٹھی پا کر راج کمار بہت خوش ہوا۔ وہ اُسی دن انگوٹھی پہن کر باغ میں گیا۔ دو کبوتر آپس میں باتیں کر رہے تھے:- ”اس بد نصیب راج کمار کو دیکھو۔ لوہار کی لڑکی نے اسے کیسا بے وقوف بنا رکھا ہے۔“

راج کمار انگوٹھی کے زور سے کبوتروں کی بولی سمجھتا تھا۔ اُس نے پوچھا:- ”مجھ سے سب حال کھول کر کہو۔“

کبوتروں نے بیل کمار کی اور لوہار کی لڑکی کا سلامۃ کہہ سنایا۔ سب حال سن کر راج کمار بہت ہچکتا یا۔ اُس نے پوچھا:- ”بیل کمار اب کہاں ملے گی؟“

کبوتروں نے بیل کا درخت دکھا دیا اور کہا:- ”اس درخت میں ایک ہی پھل لگا ہے۔ بیل کمار اُسی میں ہے۔“

راج کمار نے بیل کو توڑ لیا۔ اُس میں سے بیل کمار نکل آئی۔ بیل کمار کو پا کر راج کمار بہت ہی خوش ہوا۔

وہ بیل کمار کو لے کر محل میں آیا۔ بیل کمار

کو دیکھتے ہی لوہار کی لڑکی کا مُنہ ڈک کے مارے نَدَد
 ہو گیا۔ راج بھار اُسے مارنے کو دوڑا۔ بیل کمار
 نے ترس کھا کر اُسے بچا لیا۔
 لوہار کی لڑکی آخر اپنے گھر چلی گئی۔ اور راج
 کمار اور بیل کمار ی سکھ سے رہنے لگے۔





گنیش جی بولے ”جی ہاں اُسے پچاس ہزار روپے تو دیو دادے ہیں۔ باقی کے لئے بٹے کو دیوار سے چپکا دیا ہے۔“

بندھیل کھنڈی کہانی

پندرہ بخش

دیوتا کا دادان

گاؤں کے باہر برگد کا ایک درخت تھا۔ جس کے پاس ہی گنیش جی کا ایک چھوٹا سا مندر تھا۔ گاؤں

میں اور مندر تھے ہی نہیں اس لئے سب لوگ
 اسی مندر میں پو جا کرنے آیا کرتے تھے۔
 گاؤں میں ایک بھکاری بھی رہتا تھا۔ بھیک
 مانگنا ہی اُس کا کام تھا۔ گاؤں چھوٹا سا تھا۔
 بھکاری کو کافی بھیک نہیں ملتی تھی۔ اس لئے وہ اور
 کوئی ذریعہ نہ دیکھ کر مندر کے دروازے پر بیٹھنے
 لگا۔ اُس نے سوچا۔ یہاں دمروں کے کام کرنے آتے
 ہیں اور نہیں تو پیٹ بھرنے لائق بھیک مل ہی
 جایا کرے گی۔

بھکاری دن بھر مندر کے دروازے پر بیٹھا
 رہتا۔ اور جب وہاں کسی کو آتے دیکھتا تو شہ
 شو رٹنے لگتا تھا۔ اس طرح بے چارہ دن بھر
 گنیش جی اور شو جی کا نام لیا کرتا تھا۔ مگر شام
 تک اُسے جو بھیک ملتی تھی وہ صرف دو چار مٹھی اناج
 اور کچھ پھل پھول اور کبھی کبھی دو چار پیسے بھلا
 اتنی تھوڑی آمدنی سے کسی کی گذر کس طرح ہو سکتی
 ہے؟ پھر بھکاری کو اپنی ہی نہیں اپنی بیٹی کی بھی
 فکر کرنی پڑتی تھی۔ اُس کی بیٹی کا نام تھا کھلا اولہ
 وہ بہت سمجھدار تھی۔ مگر صرف دانائی اور سمجھ بوجھ

سے تو پیٹ کی آگ بجھتی نہیں۔ اُسے تو کھانا
 ملنا چاہیے۔ اس لئے کھلا کبھی کبھی اپنے باپ کو
 کھانے پینے کے لئے تنگ کرنے لگتی تھی۔ اُس
 وقت بھکاری کے دل پر بڑی بیوٹ لگتی تھی۔ اُس
 کی آنکھیں بھر آتی تھیں۔ وہ فکر کے سمندر میں
 ڈوبنے لگتا تھا۔

گرمی کے دن تھے دوپہر کا وقت تھا۔ اُدھر
 آسمان اور نیچے زمین دھک دھک جل رہی تھی۔
 چاروں طرف ستاوا چھا رہا تھا۔ ایسے ہی وقت میں
 ہادیو پاربتی لوگوں کا سُکھ دکھ دیکھنے اس دُنیا میں
 آئے۔ چلتے چلتے وہ اُسی گاؤں میں پہنچے اور گیش
 جی کے مندر کے سامنے سے لپکے۔ بھکاری اُنھیں،
 آتا دیکھ کر نور سے بے شو بے شو کی رٹ،
 لگانے لگا۔

بھکاری کی یہ حالت دیکھ کر پاربتی کو بہت
 ترس آیا۔ اُنھوں نے ہادیو جی سے کہا:- اُف!
 اس بھکاری کی طرف تو دیکھو! بے چارہ کتنا دکھی ہے
 دیکھو تو کتنی لگن سے تمہارا نام چپ رہا ہے۔ مگر
 ایک تم ہو، کتنے بے رحم ہو! تم نے آج تک

اس پر ترس نہیں کھایا۔ میں نے سنا تھا کہ لوگ
اب بیڑے پانی ہو گئے ہیں۔ وہ اب دیوتاؤں
کی پوجا نہیں کرتے۔ مگر نہیں۔ آج معلوم ہوا
کہ اس میں اُن کا کوئی قصور نہیں ہے۔ سب قصور
دیوتاؤں کا ہے۔ اسی آدمی کو لو۔ بے چارے کو
تمہارا نام لیتے برسوں گزر گئے۔ بد نصیب اتنے پر
میں ہیٹ بھر کھانا تک نہیں پاتا۔ جب دیوتا ہی
ایسے بے رحم ہو جائیں گے تو سکوئی کیوں اُن کی پوجا
کرے گا؟

مہادیو کو پاربتی کی بات چبھ گئی۔ وہ کہنے لگے
"اصل بات کیا ہے۔ یہ تم نہیں جانتیں۔ جان
بھی نہیں سکتیں۔ کیونکہ تمہارا دل ہی اتنا نرم
ہے۔ مگر نہیں تم رنج نہ کرو۔ میں آج ہی کچھ
بندوبست کئے دیتا ہوں جس سے اس بھکاری
کا دکھ دور ہو جائے گا۔"

اتنا کہہ کر مہادیو جی پاربتی کے ساتھ مندر
میں پہنچے۔ ماما پتا کو آتے دیکھ کر گنیش جی اٹھ
کر کھڑے ہو گئے۔ اُنہوں نے بہت محبت سے
ماما پتا کو پرنام کیا۔ مہادیو جی نے گنیش جی کو

ہشیر باد دیا اور کہا:- ”بیٹا! یہ بھکاری برسوں سے تمہارے دروازے پر بیٹھا میرا نام چپا کرتا ہے۔ مگر تم نے اب تک اس پر دم نہیں کیا۔ اب کچھ ایسی تدبیر کرو جس سے اس بے چارے کا دُکھ دُور ہو جائے۔“
 گنیش جی نے ہاتھ جوڑ کر جواب دیا:- ”اچھی بات ہے پتا جی۔ سات دن کے اندر اُس کا دُکھ دُور ہو جائے گا۔ اُسے کہیں نہ کہیں سے ایک لاکھ روپے مل جائیں گے۔“

گنیش جی کا جواب سُن کر مہادیو پارتی آگے چلے گئے۔

اُسی دِن ایک بنیا مندر میں پوچھا کرنے آیا تھا وہ آڑ میں بیٹھا ہوا مہادیو جی اور گنیش جی کی باتیں سُن رہا تھا۔ اُس نے سوچا یہ تو بہت اچھا موقع ہے۔ اگر تھوڑی ہوشیاری سے کام لوں تو آسانی سے ایک لاکھ کا مالک ہو سکتا ہوں۔ وہ بہت خوشی سے بھکاری کے پاس پہنچا۔ اور اُسے پر نام کر کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ بھکاری کو آج تک کسی نے پر نام نہ کیا تھا نہ کوئی اُس کے پاس آکر بیٹھا ہی تھا۔ بیٹے کے اس دیوار سے بھکاری سمجھا کہ یہ غرور کوئی بھلا مانس آدمی

ہے۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہوا۔ اُس نے بنیہ
 سے کہا: ”بابا آپ بہت دم دل نظر آتے ہیں کہ
 میرے پاس آنے کی ہر بانی کس طرح کی؟ آپ نہیں
 جانتے میں ایک غریب بھکاری ہوں۔“
 بنیہ کو تو اپنا مطلب نکالنا تھا۔ بیٹھے بن سے بولا
 ”آپ بھکاری ہیں! کون کہتا ہے کہ آپ بھکاری ہیں؟
 مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ ایک خدا رسیدہ ہاتما
 ہیں۔ اور آپ کے درشن سے لوگوں کے پاس دُور
 ہو جاتے ہیں۔ میں بھی آپ کے درشن کرنے چلا آیا
 ہوں۔ مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔ اگر اجازت ہو
 تو پوچھوں؟“

بھکاری: ”خوشی سے پوچھئے۔“

بنیہ: ”جہلا دن بھر میں آپ کو کتنی بھیک مل جاتی ہے؟“
 بھکاری: ”بھئی ملنے کی کیا پوچھتے ہو۔ پیٹ کے بھی لالہ
 پڑے رہتے ہیں۔ روزانہ دو چار مٹھی اناج مل جاتا
 ہے۔ کبھی دو چار پیسے بھی مل جاتے ہیں۔ کسی طرح
 دن کاٹ لیتا ہوں۔“

بنیہ: ”رام رام آپ جیسے ہاتما اور یہ تکلیف! اس گاؤں
 کے آدمی بھی کیا آدمی ہیں؟ آپ کی تھوڑی بھی مدد نہیں

کرتے ! آپ کس طرح یہ تکلیف سہہ لیتے ہیں ؟ مجھے تو
آپ پر بہت ترس آتا ہے ۔ میرے جی میں آتا ہے
کہ آپ کی کچھ خدمت کروں لیکن کہتے ہوئے ڈر معلوم
ہوتا ہے ۔

بھکاری : ”آپ میری کیا مدد کر سکتے ہیں ؟“
”ہیں ، ہیں ، ہیں !“ بنیا دانت نکال کر بولا : ”میری اتنی
جیت کہاں جو آپ کی کچھ خدمت کر سکوں ۔ مگر ایک بات
ہے ۔ آج سے سات دن تک آپ کو جو کچھ بھی ملے ۔ وہ
مجھے دے دیجئے اُس کے بدلے میں آپ کو سو روپے
دے دوں گا ۔“

سو روپے کا نام سنتے ہی بھکاری مارے خوشی کے
اچھل پڑا ۔ اُس نے سوچا اگر سو روپے مل جائیں تو کیا
کہنا ! یہاں تو سات دن میں سات آنے کا سامان بھی
نہ ملے گا ۔ ایسی حالت میں سو روپے چھوڑ دینا سراسر
بے وقوفی ہے ۔ پورا گدھا پن ہے ۔

مگر اُسی وقت اُسے اپنی لڑکی کا خیال آگیا ۔ میں سو
لے کر گھر پہنچا اور کھانا بگڑنے لگی تو ! اُس کی صلاح بھی
سہ یعنی چاہئے ۔ بس یہ خیال آتے ہی اُس نے بیٹے کو
جواب دیا ۔ آپ نے مجھ پر بڑی مہربانی کی مگر میں ابھی

کچھ نہیں کہہ سکتا سوچ کر کل بتاؤں گا۔“
 جب بنیا چلا گیا تب بھکاری نے کھلا کر بکویا اور
 اُسے سب حال کہہ سنایا۔ دانا کھلا فوراً سمجھ گئی کہ اس
 میں فرور بنیے کی کوئی شیطانی ہے۔ اُس نے باپ سے کہا
 :- ”بنیا بغیر اپنے فائدے کے کیوں سو روپے دیئے لگا
 خیر میں کل اُس سے سب باتیں طے کر لوں گی۔ مگر
 تم یہ بھی نہ بولنا۔“

اُدھر بنیے کا بُرا حال تھا۔ رات بھر اُس کے پیٹ میں
 پوٹھے اُچھلتے رہے۔ بہت مشکل سے صبح ہوئی۔ بنیے کی جان
 میں جان آئی۔ وہ ہاتھ منہ دھوتے ہی بھکاری کے پاس
 پہنچا۔ اور چھوٹے ہی بولا :- ”کیا سوچا ہے آپ نے؟“

کھلا بھی بنیے سے نیپے کو تیار بیٹھی تھی۔ بنیے کی بات
 سننے ہی اُس نے جواب دیا :- ”سیٹھ جی ہم لوگوں نے سوچ
 لیا ہے۔ بھلا سو روپے میں کیا ہوتا ہے! اتنا سستا سودا
 ہونا مشکل ہے۔ معاف کیجئے!“ کھلا کا جواب سننے ہی بنیے
 پر گویا بجلی گر پڑی۔ مگر لاکھ روپے کا لاپچھوڑنا بھی
 تو مشکل تھا۔ وہ دو سو روپے دینے پر راضی ہو گیا۔ اب
 تو کھلا کا شک اور بھی پکا ہو گیا۔ وہ سمجھ گئی کہ بنیا
 فرور کسی بھاری نفع کے لئے ہی اتنے روپے دینا چاہتا

ہے۔ اُس نے جواب دیا: "سیٹھ جی اتنا سستا سودا اور کہیں ہوتا ہوگا۔ سو دوسو یا ہزار دو ہزار سے ہوتا ہی کیا ہے! جو چیز آپ کوٹلیں کے مول خریدنا چاہتے ہیں۔ وہ لاکھ روپے میں بھی سستی ہے۔"

یہ سن کر بنیا بہت گھرایا۔ لیکن اُس نے اپنی کوشش جاری رکھی۔ مارے لاپچ کے وہ اندھا ہو رہا تھا۔ اُس پر لاپچ کا جھوٹ سوار ہو گیا تھا۔ اُس نے سو دو سو روپے سے بڑھ کر آخر پچاس ہزار لگا دیئے۔ اب کلا نے سوچا۔ اتنے روپے تھوڑے نہیں ہوتے۔ بیکار بیٹے اس فائدہ کو چھوڑنا ٹھیک نہیں اُس نے بیٹے سے کہا۔ "خیر آپ نہیں مانتے تو میں ہی آپ کی بات مان لیتی ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ روپے ابھی ملنے چاہئیں۔" یہ شرط منظور کرنے میں بیٹے کو کیا عند تھا، وہ خوشی خوشی گھر آیا۔ اُس نے سوچا۔ پچاس ہزار روپے دے کر ایک لاکھ لینا کچھ بُرا نہیں ہے۔ ایک لاکھ نہ سہی پچاس ہزار کا مالک تو بن ہی جاؤں گا۔ آہا! میری تقدیر بھی کتنی اچھی ہے۔ سات ہی دن میں پچاس ہزار کا نفع ہو گیا، اُس نے گھر آتے ہی بھکاری کے

پاس پچاس ہزار روپے بھیج دیجئے۔

اب بنیا ہر روز بھکاری کے پاس آتا۔ اور اُس کی دن بھر کی بھیک گھر لے آتا۔ اِس طرح چھ دن بیت گئے۔ اب تو بنیئے کو بڑی فکر ہوئی۔ ساتویں دن وہ پھر گنیش جی کے مندر میں پہنچا۔ اُس نے دیکھا کہ آج پھر ہادیو پاربتی مندر میں آئے ہیں۔ بس وہ دیوار سے کان لگا کر اُن کی باتیں سُنے لگا۔ مگر یہ کیا۔ اُس کا کان دیوار سے چپک گیا۔ اُس نے کان چمڑانے کی بُہت کوشش کی مگر کان ٹس سے مس نہ ہوا۔ اب وہ داہنے ہاتھ کی مدد سے کان چمڑانے لگا۔ اتنے میں ہاتھ دیوار سے چپک گیا۔

ادھر ہادیو جی نے گنیش جی سے پوچھا:۔ "بیٹا اس بھکاری کے لئے کچھ انتظام ہوا؟"

گنیش جی بولے:۔ "جی ہاں اُسے پچاس ہزار روپے تو دیوا دیئے ہیں۔ باقی کے لئے بنیئے کو دیوار سے چپکا دیا ہے۔ یہ بنیا بُہت لالچی اور کبجوس ہے۔ اس نے غریبوں سے ایک ایک کے چار چار وصول کر کے اپنا گھر بنایا ہے۔ روپے وصول کرنے میں اس نے غریبوں پر رحم نہیں کیا۔ اُن کے نیچے بھوکوں مرتے

رہے۔ مگر اس نے چو گئے روپے وصول کر کے بھی
 صبر نہیں کیا۔ اس طرح اس نے ایک لاکھ روپوں سے
 اپنی تجوری بھری۔ غریبوں کے مال سے یہ ٹکڑے نہیں
 اٹھا سکتا۔ اب جب تک یہ بھکاری کو باقی پچاس
 ہزار روپے نہ دے دیگا۔ دیوار ہی سے چپکا رہیگا۔
 کنیش جی کی باتیں سن کر بنیے نے اپنا سر پیٹ
 لیا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو برسنے لگے! جب اُس
 نے گھر سے پچاس ہزار روپے منگوا کر بھکاری کو دیئے
 تب کہیں بیزار سے اُس کا پیچھا چھوٹا۔



ناگاپرویش کی لوک کہانی

سادتری دیوی ورنا

ناگا اور شیر

شیلانگ کے جنوب میں ڈگی نام کا ایک پہاڑ ہے۔ ایک زمانے میں وہاں اتنا گھنا جنگل ہوا کرتا تھا کہ دن کو بھی اداوس جیسا اندھیرا چھایا رہتا تھا۔ نیچے درخت کے مرٹے موٹے تنے اوپر چھتری کی مانند پھیلی ہوئی درخت کی گھنی ٹہنیاں، گویا جنگل کو کسی ہری چھت نے ڈھانپ رکھا ہو۔ کوسوں تک جنگل ہی جنگل تھا۔ نہ کوئی راہ نہ کوئی باٹ۔ جلی بوٹوں، درخت، پودوں، اور جھاڑیوں کی بہتات کے باعث وہاں تل بھر جگہ پاؤں رکھنے کو نہیں بچی تھی۔

شروع میں لوہاس جو ناگاؤں کا ایک بہادر سردار تھا وہاں آکر بس گیا۔ رتہ رتہ اُس کا خاندان بڑھتا گیا۔ اب انھیں اور جگہ درکار تھی۔ ایک دن قبیلے کے سب لوگ اس بات پر غور کرنے کے لیے اکٹھے

کہ اب اور نئے جھوٹے کہاں بنائے جائیں؟ ایک دلیر نوجوانی بولا:- ”بھائیو! اب تو اس جنگل ہی کو کاٹنا جائے تو ہمارا کام بن سکتا ہے۔“

دوسرا بولا:- ”مگر اس گھنے جنگل کو کاٹنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہاں تو ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوچتا۔ بھلا ہم کلباڑی کیوں کر چلائیں گے؟“

لیکن بہت سے نوجوانوں کی یہی رائے رہی کہ ایک سرے سے کٹائی شروع کر دی جائے تو رفتہ رفتہ جنگل صاف کیا جا سکتا ہے آخر ایک رائے ہو کر سب کٹائی میں لگ گئے۔ سب سے پہلے انھوں نے ڈھاک کے ایک بڑے درخت کو کاٹنا شروع کیا۔ شام تک انھوں نے اس کا تنہا کاٹ کر گرما دیا۔ درخت کے گرتے ہی جنگل میں کافی روشنی پھیل گئی۔ اُس روز آدھی رات تک خوب گانا بجاتا ہوتا رہا۔ مگر دوسرے دن سب نے حیرانی سے دیکھا کہ بڑے سے نیا تنہا نکل آیا ہے اور درخت اور زیادہ گھنا ہو کر روشنی کو روکے کھڑا ہے۔ دوسرے دن انھوں نے پھر درخت کو کاٹ گمایا مگر صبح ہوتے ہی وہ پھر اپنی جگہ نئے سرے سے اُگ کر گویا انھیں لٹکارتا ہوا کھڑا دکھائی دیا۔

سب نوجوانی ناکاؤں نے صلاح کی کہ چلو اپنے قبیلے کے بوڑھے بابا سے اس کا بھید پوچھیں۔ وہ ضرور اس

کراماتی درخت کے بارے میں کچھ جانتے ہوں گے۔ بوڑھے بابا نے ان کی بات سن کر سر ہلا کر کہا۔ ”دیکھو ایک بات میں تمہیں بتاتا ہوں۔ ہمارے سب سے پہلے بزرگ کے ساتھ اُن کے ایک دوست نے دھوکا کیا تھا۔ انھوں نے اس دوست کو بددعا دی کہ جا تو شیر بن جا۔ مجھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسی شیر کی برادری کا کوئی بدکار آکر ہمارے کام میں خلل ڈالتا ہے۔ شیر نہیں چاہتے کہ جنگل کاٹا جائے اور اُن کی سلطنت کے علاقے پر انسان کا قبضہ ہو۔ اس لئے تم لوگ آج رات کو چھپ کر دیکھو کہ اُس کٹے ہوئے درخت کے پاس کون آتا ہے؟“

رات کو نوجوان ناگاؤں نے دیکھا کہ اس کٹے ہوئے درخت کے تنے کو ایک بھیانک شیر چاٹ رہا ہے۔ اور جس حصے کو وہ چاٹتا ہے وہ ہرا بھرا ہو کر اونچا بڑھتا جاتا ہے۔ دوسرے دن انھوں نے سارا حال بوڑھے سردار سے کہا۔ سردار نے صلاح دی کہ بیڑیں کھود کر اُس میں آگ لگا دی جائے تاکہ اُس کا نام و نشان ہی نہ بچے۔ ایسا کرنے پر سچ پچ دوسرے دن درخت نہیں آگا۔ مگر شیر نے غصے میں آ کر سردار کے ایک نوجوان بیٹے کو مار ڈالا۔ جب سردار کو اس بات کی خبر ہوئی تو اس نے سب ناگاؤں کو

اکٹھا کر کے کہا۔ ”دیکھو یہ شیر ہماری قوم کا دشمن ہے۔ اس کو جلد سے جلد ختم کر ڈالنا چاہیئے۔ تم لوگ درخت کے پاس کی زمین صاف کر کے وہاں وہ درختوں کے تنے جوڑ کر کھڑے کر دو۔ میں اُن کے پیچھے نیزہ لے کر کھڑا رہوں گا تم سب ڈھولک بجا کر شیر کو اُس طرف گھیر کر لے آنا“

دوسرے دن

سب نے مل کر
شیر کو گھیرنا
شروع کیا۔ شیر
بانسوں کے جھڑ
میں پڑا سو رہا
تھا۔ پیچھے سے
ہو کر آئے
وہ غراتا ہوا
آگے بڑھا اور
اُسی درخت کے
پاس آ کر کھڑا
ہو گیا۔ بوڑھے
سرواہ نے جب



ملت کو زبواں ناکاؤں نے دیکھا کہ اس کے ہونے پڑے
کے تے کو ایک بھیانک شیر چاٹ رہا ہے اور میں
کھنکھاتا ہے وہ ہرا ہرا ہو کر اونچا بڑھتا جا رہا ہے

شیر کو دیکھا تو اپنے جوان بیٹے کی موت کا بدلہ لینے کے ارادے
 نے اس کے بازوؤں میں نو جوانوں کی سی طاقت بھر دی
 اور اس نے نشانہ باندھ کر شیر پر نیزہ پھینکا۔ نیزہ شیر
 کی پیٹھ میں آکر لگا اور وہ بھیانک شکل میں غراتا ہوا
 سردار پر جھپٹا۔ سردار نے اپنا سر ڈھال سے ڈھانپ کر اُچھلتے
 ہوئے شیر کا پیٹ چھڑے سے چیر کر دکھ دیا اور اپنی رُم
 کے مطابق اُس نے اپنے بیٹے کے قاتل کے پنجے کاٹ لئے۔ اس
 کے بعد اس نے سب نو جوانوں کو اکٹھا کر کے کہا۔ ”اس شیر
 کا سر کاٹ کر گاؤں کے درمیان جو درخت ہے اس پر لٹکا
 دو۔ اور اس کے نیچے کی زمین کو کھود کر اپنے نیزوں کے دستے
 گاڑ دو تاکہ اس کی شیرنی اب اس گاؤں میں گھسنے کی ہمت
 نہ کر سکے۔“

ایسا ہی کیا گیا۔ رات کو جب شیرنی اپنے شیر کو ڈھونڈتی
 ہوئی اُس درخت کے نیچے آئی تو بے شمار نیزوں کے دستوں کے نشان
 دیکھ کر وہ سوچنے لگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس گاؤں میں بہت
 سے بہادر نیزہ بردار ہیں۔ اب یہاں پھرنے مناسب نہیں
 مگر میں ان سے بدلہ تو ضرور لوں گی نہیں تو ہماری نسل
 کی حفاظت کس طرح ہوگی؟“

شیرنی موقع کی تلاش میں رہی کہ کوئی ایسا ناکا مل

جائے جس کی مدد سے میں ان سے بدلہ لے سکوں
 اتفاق سے ایک دن جنگل میں ایک ناگا سے اُس
 کی ملاقات ہو گئی۔ اُس وقت شیرنی اپنے بچوں کو
 ننگار کے داڑ سکھا رہی تھی۔ ناگا اکیلا تھا۔ اور یہ
 نہیں۔ آدمی کی نسل کو دیکھتے ہی شیرنی کا خون کھولنے
 لگا۔ مگر اُسے ایک بات سوچھی۔ اُس نے ناگا سے
 کہا۔ "دیکھ میں چاہوں تو تجھے ابھی پھاٹ کر رکھ دوں
 پھر بھی اگر تو اپنے سردار سے بدلہ لینے میں میری
 مدد کرے تو نہ صرف میں تیری جان بخش دوں گی
 بلکہ کئی اچھی اور انوکھی جڑی بوٹیاں بھی تجھے لا کر
 دیا کروں گی۔ اُن کے استعمال سے تو جلد ہی ناگاؤں
 کا سردار بن جائے گا۔"

وہ ناگا لاپچ میں آ گیا اور اُس نے شیرنی
 سے دوستی گانٹھ لی۔ اب وہ گاؤں میں لوگوں کو
 جڑی بوٹی بانٹنے لگا۔ اور حکیم کی صورت میں کافی
 مشہور بھی ہو گیا۔ شیرنی رات کو اکثر اُس کے گھر
 آتی اور اُسے جڑی بوٹیاں دے جایا کرتی۔ ساتھ
 ہی ساتھ اُس سے گاؤں کا سب بھید پوچھ کر
 وہ رات کو ایسی جگہ چھپ کر بیٹھ جاتی۔ جہاں

کوئی اکیلا ناگا پہرے پر ہوتا اور چپکے سے جا کر اُس
پر حملہ کر دیتی۔ ان حملوں سے ناگاؤں کا سردار
بہت پریشان تھا۔ ایک دن اُس نے اپنے آدمیوں
کو اکٹھا کر کے کہا۔

”ہو نہ ہو یہ شیرنی

کی کڑوت ہے۔ اس

لئے جنگل میں ہانکا ڈالو۔“

یہ بات شیرنی

کو اُس کے دوست

ناگا نے جا کر بتادی

شیرنی خبردار ہو گئی۔

اور اُس دن اپنے

بچوں کے ساتھ وہ

ایک گہرے غار میں جا

چھپی۔ اُسی رات کو



شیرمیانک شکل میں سردار پر چپکا۔ سردار نے
اُچھٹے ہوئے شیر کا پیٹ چھرے سے چیر کر کھ دیا۔

اُس نے پھر ایک نوجوان ناگا کو مار ڈالا۔ پھر سب
نے مل کر ہانکا ڈالا۔ مگر شیرنی کا کہیں پتہ نہیں
چلا۔ کچھ سوچ کر سردار نے کہا۔ ”ہو نہ ہو، ہم لوگوں میں
سے ضرور کوئی شیرنی کو سارا بھید بتا دیتا ہے۔ ہٹھرو میں

اس کا پتہ لگاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے کچھ منتر پڑھ کر راکھ اڑائی اور اس حکیم ناگ کی طرف اُننگی اٹھا کر کہا - ”یہی ہمارا بھیدی ہے۔ اگر یہ اپنے کو سچا ثابت کرنا چاہتا ہے تو اسے آٹھ دن کے اندر ہی ایک شیر مار کر اُس کی کھوپڑی کے اوپر ماتہ رکھ کر قسم کھانا ہوگی۔ اگر یہ بے قصور ہے تو اس پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی اور اگر اس نے اپنے فرقے سے دھوکا کیا ہوگا تو آٹھ ہی دن میں اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔“

اُسی رات کو شیرنی جب اُس حکیم نانا کے پاس آئی
تو اُس نے شیرنی سے سردار کی ساری بات کہی۔ شیرنی بولی
”تو فکر نہ کر، میں تجھے شیر کی ایک پُرانی کھوپڑی لادوں
گی۔“ مگر اتفاق سے اُس دن حکیم نانا کا چھوٹا لڑکا
جاگ رہا تھا اور اُس نے اپنے باپ اور شیرنی کی ساری
بات سُن لی۔

دوسرے دن کھیل کے وقت اس نے یہ بات اپنے ساتھیوں سے کہہ دی۔ پھیلے پھیلے یہ بات سردار کے کانوں تک جا پہنچی۔ اب تو سردار کا شک اور بکا ہو گیا اور اُس کے کہنے پر حکیم ناگا کی مشکیں کس کر جس درخت سے شیر

کا سر ٹٹک رہا تھا اُسی سے اُسے باندھ دیا گیا۔
 دوسرے دن سب ناگاؤں نے مل کر اچانک ہی شیرنی
 کو جا گھیرا اور نیروں سے اس کا کام تمام کر دیا۔ جب
 وہ واپس آئے تو انھوں نے دیکھا کہ وہ حکیم ناگا
 بھی کراہ کراہ کر دم توڑ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر سردار بولا
 ”یہ تو ہونا ہی تھا۔ ہمارے بزرگوں کی یہ بدھ عاہے کہ جو
 کسی شیر سے دوستی کرے گا وہ اُس شیر کے مرتے ہی مر
 جائے گا۔“ اسے اپنی کرنی کی ٹھیک سزا ملی۔“





بھاراج نے خوش ہو کر کہا "میں نہیں جانتا تھا کہ میری
سلطنت میں ایسے خوبصورت علاقے بھی موجود ہیں"

ہماچل پردیش کی لوک کہانی

بھیشم ساہنی

انوکھی ہڈی

سورن دیش کے بھاراج اُسے گری پچاس برس کی
مڑ تک پہنچتے پہنچتے بھاراج ادھیڑاچ ہو گئے۔ دُور دُور
کے ملکوں پر اُن کی فوج کا جھنڈا لہرا چُکا تھا۔ اُن

کی بہادری کی کوئی حد نہ تھی۔ بے شمار قیدی راجہ اُن کے
ہیبت ناک قلعے میں تاریک دیواروں کو دیکھتے ہوئے
دم توڑ رہے تھے۔ اور اُنہی کے ملکوں کی حسین عورتیں
مہاراج کے رنواس کی رونق بڑھا رہی تھیں۔ جب بھی
مہاراج کی فوج کسی ملک کو روند کر واپس آتی مہاراج
کے سونے کا خزانہ اور بھی بھر جاتا اور اُن کے
تاج میں نئے ہیرے موتی چمکنے لگتے۔ مگر مہاراج کی
آنکھیں اب بھی اُنی پر رُکی ہوئی تھیں۔

برسات کے موسم کے آخری دن تھے۔ مہاراج اپنے
وزیروں کے ساتھ اپنی سلطنت کے شمالی پہاڑوں پر شکار
کیل رہے تھے۔ دوپہر ڈھل چکی تھی۔ مہاراج ایک نوجوان
ہرن کا پیچھا کرتے ہوئے اپنا دستہ بھول گئے۔ شکار کے
جوش میں وہ میلوں کی دوری تک اپنا گھوڑا دوڑاتے چلے
گئے۔ مگر ہرن کا کچھ پتہ نہ چلا جنگل کی حد آپہنچی۔ اور
مہاراج تھک کر ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔
مگر دوسرے ہی لمحے مہاراج نے سامنے آنکھ اٹھا
کر دیکھا تو سرگرد ہو اُٹھے۔ ڈھلتے سورج کی لال روشنی میں
سامنے ایک بڑا پہاڑ غرقِ آبی اپنا سر اُوپر اُٹھا
کھڑا تھا۔ اور اُس کے قدموں میں ایک بڑی سی نیل

جھیل چھٹی ہوئی تھی۔ نہایت ہی صاف جھیل تھی۔ گویا قدرت کی لا انتہا خوبصورتی کا ایک آئینہ تھی۔ پہاڑ کی ترانیاں دیو دار کے درختوں سے لدی ہوئی تھیں۔ اور دائیں طرف ڈھلان پر ایک چھوٹا سا شہر بسا ہوا تھا۔ جس کی چھتیں شام کی دھندنی روشنی میں دور تک پھیلی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

مہاراج اس انوکھے منظر کو ٹھکی باندھ کر دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں اُن کے ساتھی اُنھیں ڈھونڈتے ہوئے آ پہنچے۔

مہاراج نے خوش ہو کر کہا ”میں نہیں جانتا تھا کہ میری سلطنت میں ایسے خوبصورت علاقے بھی موجود ہیں“ پاس کھڑے بڑے وزیر نے ہاتھ باندھ کر جواب دیا۔ مہاراج یہ علاقہ آپ کی سلطنت کی حد سے باہر ہے۔ آپ کی سلطنت کی حد یہاں ختم ہو جاتی ہے۔ جہاں آپ کھڑے ہیں۔ ”تو گویا یہ علاقہ میری سلطنت کا حصہ نہیں ہے؟“

”نہیں مہاراج یہ ایک چھوٹا سا آزاد ملک ہے۔ جس کے لوگ پچھلیاں پکڑ کر اپنی گزر کرتے ہیں۔“ مہاراج کے دل میں ایک گہری ٹیس اُٹھی اُنھوں نے حسرت بھری آنکھوں سے دیکھا۔ یہ میرے ملک کا حصہ نہیں

ہے! "ایسا کہتے ہوئے اور اپنی ٹٹھیاں بھیختے ہوئے وہ
مستمم ارادے سے بولے۔

"آج ہی واپس جا کر فوج کو تیار کرو۔ بڑے وزیر!
میں خود اس علاقے پر چڑھاؤ کروں گا۔ میری سلطنت کی
سرحد اب وہ پہاڑ کی چوٹی ہوگی۔" یہ کہتے ہوئے مہاراج
وہاں سے واپس چل دیئے۔

اس واقعہ کو ابھی دس دن بھی نہ ہونے پائے تھے
کہ جنگل کا وہ پُر سکون علاقہ فوجیوں کی شیروں جیسی گرج
سے گونجنے لگا۔ جنگل کے درندے بھی مہاراج کی بہادری
سے خوف زدہ ہو کر بھاگ اُٹھے۔ جھیل کا پُر سکون پانی جس
پر گاتے ہوئے ماہی گیر مچھلیاں پکڑتے اب اُنھیں کے
خون سے لال ہونے لگا۔ مہاراج کے بہادر فوجیوں کے
تیروں کی بوچھاڑ درختوں اور پتھروں کے بھی ٹکڑے ٹکڑے
کرنے لگی۔

تین دن گزر گئے۔ مہاراج کی فوج جھیل پار کر کے
شہر کی دیواروں تک جا پہنچی۔ پھر بھی ماہی گیروں نے تھیلا
نہیں ڈالے رات کے وقت جب مہاراج کی فوج میں فتح
کا شور ہوتا تو شہر پر مرگھٹ کا ساٹا چھا جاتا۔ کہیں کوئی
ٹھٹاتا دیا بھی نظر نہ آتا ماہی گیر نیچے بوڑھے دن بھر روتے

اور رات کو اپنے مُردہ رشتہ داروں کی لاشوں کو ٹھکانے لگاتے اپنے زخموں کو سہلاتے پھر اس بھیانک اندھیرے میں کہیں بھی اُمید کی کوئی کرن نہ دیکھتے زمین پر ہاتھ رکھ کر اپنی جانبی قربان کرنے کی قسم کھاتے۔

صبح کا وقت تھا۔ مہاراج اپنے خیمے میں بیٹھے نئے محلے کی تجویز کر رہے تھے۔ اُسی وقت دربان نے آکر سلام کیا ”مہاراج ایک آدمی دروازے پر کھڑا ہے۔ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔“

”کون ہے؟“

”کوئی بوڑھا آدمی ہے مہاراج! کہتا ہے مرنے سے پہلے مہاراج کے درشنوں کی خواہش لے کر یہاں آیا ہوں۔“

”کوئی ایچی ہو گا؟“ ایک وزیر نے کہا۔

”یا بھیس بدلے کوئی فوجی ہو گا۔“ دوسرے وزیر نے کہا۔

”اُس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں مہاراج! وہ بہت

بوڑھا ہے اور لاٹھی کے سہارے بہت مشکل سے کھڑا

ہو سکتا ہے۔“

مہاراج نے آنے کی اجازت دے دی۔

تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھا میلا سالماں چغہ پہنے عمر کے

بوجھ سے دبا ہوا اپنی لاٹھی پر جھک کر چلتا ہوا مہاراج

کے سامنے آکھڑا ہوا۔

راجہ نے کہا: کیا بات ہے بزرگ؟ تم کوئی ہو؟ میرے پاس وقت بہت تھوڑا ہے۔ بوڑھا آداب بجا کر بولا:۔ مہاراج کی نیک نامی اور شہرت سے دنیا کے چاروں گوشے گونج رہے ہیں۔ میں آپ کے درشنوں کے لئے یہاں چلا آیا ہوں۔ مہاراج تھوڑی دیر تک اس کے چہرے کی طرف دیکھتے رہے پھر آہستہ سے بولے۔

”دشمن کے ملک سے آئے ہو!“

”نہیں مہاراج میں آپ ہی کی سلطنت کا خادم ہوں۔ یہاں تھوڑی دیر میرا جھومپڑا ہے۔“

”تم کیا چاہتے ہو بزرگ؟“

”دان دکن کا سوالی ہوں۔ مہاراج میں بہت بوڑھا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے بوڑھے نے اپنی لمبی پوشاک کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک چھوٹی سی سفید ہڈی کا ٹکڑا نکال کر بولا۔ ”مجھے اس ہڈی کے وزن برابر سونا دے دیا جائے مہاراج مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔“

مہاراج نے ہڈی کو دیکھا۔ وہ تاخن سے بڑی نہ تھی اسے دیکھ کر وہ یکایک ہنسنے لگے۔

”بوڑھی عمر میں لوگ پاگل ہو جاتے ہیں۔ اس ہڈی

کے برابر تو ایک رقی بھر سونا بھی نہ آئے گا بزرگ ! اور
کچھ مانگو۔“

”میرے لئے آپ کے ہاتھ کا دیا ہوا ذرا سا سونا
بھی خزانے کے برابر ہوگا مہاراج۔“

مہاراج نے ہنستے ہوئے ترازو منگوانے کا حکم دیا اور
پاس پڑے ہوئے چاندی کے تھال میں سے سونے کی دو
مہریں اٹھا کر بوڑھے کی طرف پھینک دیں۔
”ان کے ساتھ ہڈی کو تول لو بزرگ۔“

ترازو آئی۔ ایک پلڑے میں ہڈی کا ٹکڑا رکھا گیا اور
دوسرے میں مہریں۔ مگر جب وزیر نے تول تو ہڈی کا ٹکڑا
بھاری نکلا۔ مہاراج شرمندہ ہوئے اور فوراً ہی دو مہریں
اور نکال کر ترازو میں ڈال دیں۔ سوالی کا سوال چاہے
چھوٹا ہو۔ لیکن سخی کو سخاوت میں فراخ دل ہونا چاہئے۔
مگر ہڈی کا بلٹا پھر بھی بھاری نکلا۔

مہاراج حیران ہو گئے۔ اور ترازو میں سے ہڈی کو
نکال کر دیکھنے لگے۔ پھر پُرجوش ہاتھوں سے چاندی کے
تھال میں سے ایک ساتھ سُٹھی بھر کر مہریں اٹھا کر ترازو
میں ڈال دیں اور ترازو کو اپنے ہاتھ میں لے کر غود تولنے
لگے۔

مگر پہلے کی طرح ہڈی کا پلڑا اب بھی بھاری نکلا !
 سب درباری حیران ہو کر ترازو کے پاس آ گئے ۔ مہاراج
 حیرت سے ہڈی کو دیکھ رہے تھے ۔ موقعہ دیکھ کر بوڑھے
 نے ہاتھ باندھ کر کہا ۔



”مہاراج
 میں اپنی ہڈی
 کو واپس لیتا
 ہوں ۔ شاید
 آپ کے پاس
 اس کے برابر
 سونا دان کیلئے
 نہیں ہے۔“

مہاراج
 اس بے عزتی
 کو نہ سہہ سکے
 ایک بڑی ترازو
 مستگوئی گئی

اور اس کے ایک پلڑے میں یہ حقیر سی ہڈی اور دوسرے
 میں چمکتی ہوئی مہروں سے بھرا ہوا سارے کا سارا

ایک بڑی ترازو منگوائی گئی اور اس کے ایک پلڑے میں یہ حقیر سی ہڈی اور
 دوسرے میں چمکتی ہوئی مہروں سے بھرا ہوا سارے کا سارا تھا انڈیا دیا گیا۔

تھال انڈیل دیا گیا۔

مگر ہڈی کا ٹکڑا جوں کا توں بھاری نکلا۔

”یہ جادو کی ہڈی ہے۔ بزرگ تم میری بے عزتی کرنے آئے ہو۔“

مہاراج کی آنکھیں گھمنڈ اور غصے سے لال ہو اٹھیں۔
وہ ہڈی کو باہر پھینک سکتے تھے اور نہ اُس کے برابر سونا
ہیا کر سکتے تھے۔

اس سے بھی بڑی ترازو منگائی گئی۔ مہروں کی جگہ
سونے کی اینٹیں رکھ دی گئیں۔ مگر ننھی سی سفید ہڈی
پھر بھی بھاری نکلی۔

ایک پاگل جواری کی طرح مہاراج اس ترازو پر اپنے
سونے کا خزانہ کٹانے لگے سب درباری تصویر بنے اس
کارروائی کو دیکھ رہے تھے۔ مہاراج کے ماتھے پر پسینے
کی بوندیں نظر آنے لگیں۔

بوڑھا آہستہ آہستہ مسکرانے لگا۔ پھر ہاتھ باندھ کر بولا
”مہاراج اُدے گری آپ کی سلطنت بہت بڑی ہے
مگر آپ کی سلطنت کے خزانے تو کیا دُنیا بھر کی
سلطنتوں میں اس کے وزن کا سونا نہیں مل سکے گا۔“
مہاراج کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ وہ نظر اٹھا کر بولے

”کیا کہا بزرگ ! دنیا بھر کا سونا اس ہڈی کی برابری
نہیں کر سکتا؟“

”ہاں ہمارا ج ! دُنیا کے سات سمندروں کا پانی بھی
اگر سونا بن جائے تو اس ہڈی کی پیاس کو نہیں بجھا سکیگا۔“
ہمارا چپ ہو گئے۔ اور ٹکلی باندھ کر بوڑھے کے چہرے
کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر آہستہ سے بولے۔

”کیا بات ہے بزرگ؟ اس ہڈی میں ایسا کیا بھید ہے؟“
”یہ لالچ کی ہڈی ہے ہمارا ج ! اس کی پیاس ہمیشہ بڑھتی
ہے۔ کبھی بجھتی نہیں۔“

ہمارا ج حیرت میں آ گئے۔ اُن کے سفید چہرے پر جوش
شکست اور عاجزی کے جذبات نظر آنے لگے۔ اُن کی آنکھیں
بوڑھے کے چہرے پر سے ہٹ کر انوکھی ہڈی پر آ گئیں۔
”تو کیا بزرگ، دُنیا بھر کی جائداد اس ہڈی سے ہلکی ہی
رہے گی؟“

”ہاں ہمارا ج !“ بوڑھے نے کہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔
”یہ ماہی گیر کا چھوٹا سا ملک تو اس کے پلڑے کو
چھو تک نہ سکے گا ہمارا ج۔“

”تو بزرگ کیا اس ہڈی کی برابری دُنیا کی کوئی بھی
چیز نہیں کر سکے گی؟“

بوڑھا مسکرایا پھر اُس نے آہستہ سے اپنے پاس کھڑے ہوئے ایک فوجی کے ہاتھ میں سے اُس کی کٹار لے لی اور دوسرے ہی لمحے اپنے ہاتھ کو زخمی کر لیا۔

”یہ تم نے کیا کیا بزرگ؟ اپنا ہاتھ کاٹ لیا؟ ہمارا ج نے حیران ہو کر پوچھا۔

بوڑھے نے اپنے زخمی ہاتھ پر سے ٹپکتے ہوئے لہو کی ایک بوند ترازو میں ڈال دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہڈی کا پلڑا اونچا اٹھنے لگا۔ یہاں تک کہ خون کی بوند کا پلڑا جو جھل ہو گیا۔

”ہمارا ج اُدے گری میرا خون تو بوڑھا ہو چکا ہے۔ اس میں کوئی دھڑکن نہیں مگر ایک جوان یا بچے کے خون کا تو چھو لینا بھی بھاری ہو گا۔“

ہمارا ج بے قرار ہو اٹھے اور چپ چاپ خیمے میں سے باہر نکل کر جھیل کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ تیرن کی بوچھاڑ اب بھی اُسی جوش سے ہو رہی تھی اور جھیل کا پانی اب بھی لال ہو رہا تھا۔ جھیل کے سامنے کھڑے ہمارا ج بہت دیر تک کبھی ہڈی کو دیکھتے کبھی خون سے لال جھیل کے پانی کو دیکھتے.....

کہتے ہیں دوسرے دن صبح جب نقارہ بجنے کا وقت

ہوا تو ماہی گیروں نے دیکھا کہ ہمارا ج اُدے گری کی
 فوجیں واپس جا رہی ہیں - اور جنگوں سے بھاگے ہوئے
 جانور اور پرندے پھر سے آہستہ آہستہ اپنے غاروں
 اور گھونسلوں کی طرف واپس آ رہے ہیں -





مرسوتی کی پوجا کی۔
جلتے اور ماتھے پر
لے کر پڑھتا کرتے

مدھیہ بھارت کی لوک کہانی

یہ سن کر مارا

کرم چکر

بہت پرانی بات ہے۔ ایک دفعہ کشتی اور مرسوتی میں
بحث پھڑ گئی۔ کشتی بولی ”میرے آشری باد کے آگے بھلا
کرموں کی کیا ہستی ہے؟“ لیکن مرسوتی اپنی اس بات پر

اڑی ہوئی تھی کہ ہر ایک کو پھیلے کرموں کا پھل بھوگنا پڑتا ہے۔ دونوں میں بحث چھڑ گئی اور آخر لکشمی نے کہا:- ہم دونوں چل کر لکشمی کے مندر میں مورتی کے پیچھے چھپ جائیں وہاں جو کوئی بھی دولت کی خواہش لے کر سب سے پہلے آئے گا۔ اُسے میں اپنی خوشی کے مطابق دولت دینی پھر دیکھوں گی کہ کرم کس طرح اُسے مسکھی ہونے سے روکیں گے " سرسوتی نے کہا:- "ٹھیک ہے اور آپ کو ایک نہیں تین موقعے ملیں گے۔"

دونوں مندر میں جا کر لکشمی کی مورتی کے پیچھے چھپ گئیں مندر کے پاس ہی امبر نام کا ایک گاؤں تھا۔ اُس میں بلرام نامی ایک لکڑہارا نہایت غریبی میں اپنے دن کاٹ رہا تھا۔ اُس کی بیوی کا نام سنیٹی تھا۔ اُس کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی بھی تھی۔ وہ ہر روز کڑی کالمٹا یا پڑوسیوں کا کام کر کے اپنا پیٹ پالتا۔ لیکن تین دن سے لگاتار بارش ہو رہی تھی جس کے سبب وہ گھر سے کام کرنے کو نہ جاسکا۔ ادھر گھر میں اناج کا ایک دانہ بھی نہ تھا۔ بچے بھوک سے پریشان تھے اور ماں باپ مجبور تھے دن نکلنے ہی بارش رُکی اور سنیٹی نے کہہ سن کر بلرام کو کام کی تلاش میں بھیجا۔ بلرام نے جنگل میں کڑی کاٹی اور پھول جمع

کے۔ پھر کچھ پھول لے کر وہ لکشمی کے مندر کی جانب چلا۔ بلرام نہایت خوش نصیب تھا۔ کیونکہ وہی شخص تھا جو اس مندر میں سب سے پہلے پہنچا تھا جس میں دونوں دیویاں چھٹی بیٹھی تھیں۔ بلرام نے مورتی کی پوجا کی پھول پڑھائے اور ہاتھ بوڑ کر دولت کے لئے پرارتھنا کرنے لگا۔ دیوی لکشمی نے مناسب موقعہ دیکھ کر مہروں کی بارش کر دی۔ بلرام آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا کہ یہ حقیقت ہے! یا خواب؟ بہت دیر میں اُسے یقین ہوا کہ دیوی لکشمی واقعی اس پر خوش ہو گئی ہیں۔

مندر کے کونے میں مٹی کی ایک ہنڈیا رکھی تھی سب ٹہریں اُس میں بھر کر خوشی سے اُچھلتا ہوا وہ اپنے گھر پہنچا۔ باہر سے اُس نے اپنی بیوی کو پکارنا شروع کیا اور کہا کہ دیکھو سیتی میں کیا لایا ہوں۔ مگر وہ اپنی کسی پڑوسن سے آٹا ادھار مانگنے گئی ہوئی تھی۔ وہ اُسے دھونڈ باہر چل دیا۔ تھوڑی دیر میں دونوں مٹیاں بیوی واپس آ گئے۔ بلرام تو خوشی خوشی سب کچھ بتا رہا تھا مگر سیتی اُس پر یقین نہیں کر رہی تھی۔ گھر میں آکر دونوں نے دیکھا کہ ہنڈیا بھر اشرفیاں تو کہاں۔ ایک بھی اشرفی نہیں ہے۔ بلرام کٹے ہوئے درخت کی طرح گر پڑا اور سیتی

اُسے گالیاں سنانے لگی۔ اب وہ بولتا بھی کیا؟ چپ پرٹا رہا۔ اگلے دن صبح وہ پھر دیوی کے مندر میں پہنچا۔ کشتی سوچ رہی تھی کہ بلرام اب امیر ہو گیا ہے۔ اس لئے بہت سا سامان لاکر پوچھا کرے گا۔ مگر بلرام نے رو رو کر ساری کہانی سنائی۔ اب کی بار دیوی کشتی نے اپنے گلے کا ہیرے جواہرات کا ہار اُس کے اوپر پھینک دیا وہ نہایت خوش ہو کر وہاں سے چل دیا۔ راستے میں اُسے دھیان آیا کہ کل اُس نے دولت ملنے پر صاف سُتھرے پانی میں نہا کر پوچھا نہیں کی تھی۔ شاید اسی لئے اُس کی کل والی دولت کھو گئی۔

یہ سوچتے ہی وہ تالاب پر جا پہنچا اور ہار کو کڑتے کی جیب میں اچھی طرح باندھ کر کپڑے پانی کے کنارے رکھ دیئے اور نہانے کو گھس گیا۔ جب وہ سورج کی طرف مُنہ کر کے اُسے پانی دے رہا تھا۔ کپڑوں کی طرف اُس کی پیٹھ تھی۔ ہار ذرا سا جیب میں سے بھجک رہا تھا۔ پھل اُسے کھانے کی کوئی چیز سمجھ کر نکل گئی اور بلرام نہانے سے فارغ ہو کر آیا تو ہار کو غائب دیکھ کر رونے لگا۔ سب جگہ اُس نے ہار دھونڈا مگر وہاں ہار کہاں گھر پہنچ کر اُس نے رو رو کر اپنی بیوی کو سب حال

سُنا یا۔ مگر اُس نے یقین کرنے کی بجائے اُسے دو چار سُنا دیں۔
 اگلے دن بلرام پھر دیوی کے مندر میں دیر سے پہنچا۔
 کشمی سرسوتی سے کہہ رہی تھی۔ ”دیکھو آج بلرام نہیں آئیگا
 اب وہ امیر ہو گیا ہے۔ یہ انسان بہت نا شکریے ہوتے
 ہیں۔“

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد بلرام روتا ہوا آپہنچا اور آ
 کر سب حال سُنانے لگا۔ دیوی کشمی دیوی سرسوتی سے
 کہنے لگی۔ ”یہ انسان بہت بے وقوف معلوم ہوتا ہے۔“
 سرسوتی بولی۔ ”بے وقوف نہیں ہے۔ اس کے بُرے
 کرموں کا چکر ابھی ختم نہیں ہوا۔“

کشمی چڑ کر بولی۔ ”پھر وہی کرم چکر۔ اچھا اب
 کے میں اسے ایک چھوٹا سا بہت قیمتی پتھر دوں گی
 دیکھوں اسے کون لیتا ہے۔“ ایسا کہہ کر اُنھوں نے
 ایک چھوٹا قیمتی پتھر اُس کے آگے پھینک دیا۔ بلرام
 نے اُسے فوراً اٹھا لیا۔ اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے
 لگا۔ اب وہ اُسے مٹھی میں دباٹے گھر کی طرف بھاگا
 اُسے سینٹی کے پاس پہنچنے کی جلدی تھی۔ آدھے راستے
 آکر وہ مٹھی کھول کر دیکھنے لگا۔ کہ کہیں انمول پتھر
 ہاتھ میں سے غائب نہ ہو گیا۔ لال لال چمکتا



اور سنی نے جب پھل کافی قواس کے پیٹ میں سے وہ مار نکال پڑا۔

گھر کے دونوں حیران رہ گئے۔ بھونکوان کی تیز چیریں مل چکی تھیں۔

ہوا پتھر دیکھ کر ایک چیل اُسے کھانے کی چیز سمجھ کر ایک ہی بھیٹے میں چھین کر لے گئی۔ اب تو بلرام سر پیٹ کر رہ گیا۔ اُس نے گھر جا کر اپنی بیوی کو کچھ نہ بتایا اور چپ چاپ جا کر لیٹ گیا۔ اُسے اس طرح لیٹے ہوئے دیکھ کر سنی کی کا دل بھر آیا اور وہ اُسے کھوٹی ہوئی دولت کے لئے تسلی دینے لگی

اگلے دن وہ مندر نہیں گیا مزدوری کرنے کو چلا گیا
کیونکہ سینی کی ایسی ہی خواہش تھی۔

اُدھر مندر میں دیوی لکشی کہنے لگی "اب بلرام فرور
لکھ پتی ہو گیا ہو گا۔ بھلا وہ اب یہاں کیوں آئے گا"
لیکن سرسوتی بولی :- "نہیں بہن ایسا نہیں ہوا۔ وہ ابھی
اتنا ہی غریب ہے۔ آج شام اُس کے بُرے کپڑوں
کا اثر ختم ہو گا پھر وہ فرور ہی لکھ پتی بنے گا۔"
اُس شام بلرام کو آٹھ آنے ملے۔ اُس سے وہ
آٹا نمک، تیل اور مچھلی وغیرہ خرید کر گھر آیا۔ اُس
کی بیوی اور بچے یہ سب دیکھ کر نہایت خوش ہوئے
بیوی نے گھر میں جا کر کھانے کی تیاری شروع کی
اور وہ کھاڑی لے کر لکڑی لینے چلا گیا خوش قسمتی سے
وہ اُسی کیکر کی ٹہنیوں کو کاٹنے لگا۔ جس پر اُس چیل
کا گھونسلہ تھا۔ اور وہ قیمتی پتھر اُس میں پڑا تھا اُسے
دیکھتے ہی وہ خوشی کے مارے لکڑی اور کھاڑی چھوڑ
کر بھاگا گھر کی طرف۔ وہ کہتا جا رہا تھا "سینی چور مل
گیا! چور مل گیا!"

اُدھر سینی نے جب مچھلی کاٹی تو اُس کے پیٹ
میں سے وہ ہار نیکل پڑا۔ وہ اُسے دکھانے کو لے

کر باہر بھاگی۔ وہ بھی کہتی جا رہی تھی : چور مل گیا !
چور مل گیا !

یہ شور سن کر پڑوس کی کبڑی بڑھیا گھبرا گئی۔ کیونکہ
اُسی نے پہلے دن وہ نہروں سے بھری ہنڈیا چرائی تھی
وہ سمجھی شاید اُسی کی چوری پکڑی گئی ہے اور اب اُسی
کے گھر وہ اُسے پکڑنے آ رہے ہیں۔ وہ پیچھے سے
اُس ہنڈیا کو اُسی کو نے میں رکھ آئی۔ گھر آکر دونوں
میراں رہ گئے۔ کیونکہ اُن کی تینوں چیزیں مل چکی تھیں۔
اب وہ لکھ پتی کیا کروڑ پتی بن گئے اور سکھ سے
زندگی بسر کرنے لگے۔

۱۲۵

دیکھ دیکھو - رانی! اگر تمہیں کان
بناتے وقت راجکڑوں کو تیل دھو
ڈھو کر گارا اور چونا دیتا ہے تو
کیسا لگے گا؟



رستہ کی لوک کہانی

جھگوانی چندر گپت

پھولوں کی سیج

کسی نگر میں ایک راجہ راج کرتا تھا۔ اُس کی ایک
رانی تھی۔ اُس رانی کو کپڑے اور لہنے کا بہت زیادہ
شوق تھا۔ اُسے کبھی سونے کا کرن پھول چاہیے
کبھی ہیرے کا ہار تو کبھی موتیوں کی مالا۔ کپڑوں کی
تو بات ہی نہ ہو چھٹے۔ بھاگل پوری ٹسر اور ڈھاکے
کی مکمل اور رات کو سونے کے لئے پھولوں کی سیج

پھول بھی کھلے ہوئے نہیں۔ بلکہ ادھ کھلی کلیاں جو رات بھر میں
آہستہ آہستہ کھلیں۔ ہر روز نوکر ادھ کھلی کلیاں چن چن کر
لاتے اور باندی سچ لگاتی۔ اسی طرح اتفاق سے ایک
دن ادھ کھلی کلیوں کے ساتھ کچھ کھلی ہوئی کلیاں بھی سچ
پر آگئیں۔ اب تو رانی کو بہت ہی بے چینی ہوئی۔

رانی کو نیند کہاں؟ کھلی کلیاں پیچھ رہی تھیں۔ دیپک
دیو (دیا) جو اپنی روشنی پھیلا رہے تھے۔ اُن سے نہ رہا
گیا۔ وہ بولے:- ”رانی! اگر تمہیں مکان بناتے وقت راج
گیروں کو تسلی ڈھو ڈھو کر گارا اور پھوٹا دینا پڑے تو
کیا ہو؟ کیا تسلیوں کا ڈھونا ان کلیوں سے بھی زیادہ بُرا
لگے گا؟“ رانی نے سوال کا کوئی جواب نہ دیا وہ لاجواب
ہو گئی۔ راجہ بھی جاگ رہے تھے۔ انھوں نے ساری
باتیں سن لیں۔

راجہ نے رانی سے سوال کیا:- ”دیپک دیو کے سوال
کی آزمائش کر کے دیکھو نا؟ اُن کا حکم نہ ماننا اچھا نہیں“
رانی راضی ہو گئی۔ راجہ نے کاٹھ کا ایک کٹھرا بنوایا
اُس میں رانی کو بند کروا دیا۔ اور پاس بیٹھے والی ندی
میں بہا دیا۔ وہ کٹھرا بہتے بہتے ایک دوسرے راجوڑے
کے کنارے جا لگا۔ وہ راجہ کے بہنوئی کے راج

میں تھا۔ گھاٹ والوں نے کٹھرے کو پکڑ کر کنارے لگایا۔ کھولا تو اُس میں ایک خوبصورت عورت نکلی۔ رانی کے زیور اور قیمتی کپڑے پہلے ہی آثار لئے گئے تھے۔ وہ مہولی پہنے بیٹھتی رہی۔ تھی مگر خوبصورت تھی۔ راجہ اُسے نہ پہچان سکا اور نہ رانی نے ہی اپنا صبح پتہ بتایا۔ کیونکہ دیپک دیو کی بات کا استحسان بھی تو لینا تھا۔ راجہ کا ایک نیا محل بن رہا تھا۔ اس لئے راجہ کو مزدوروں کی ضرورت تھی۔ اس نے پوچھا: "تم کیا چاہتی ہو؟"

رانی نے اپنی خواہش ظاہر کرتے ہوئے کہا:۔
"مکان بنانے میں تسلا ڈھونے کا کام۔"

راجہ نے اُس رانی کو تسلا ڈھونے کے کام پر لگا دیا۔ رانی دن بھر تسلا ڈھوتی اور مزدوری کے تھوڑے پیسوں سے اپنی گزارہ کرتی۔ دن بھر کی سخت محنت کے بعد جو روکھا سوکھا کھانا ملتا وہ اُسے بہت ہی میٹھا اور لذیذ معلوم ہوتا اور رات بھر کمروری چٹائی پر خراٹے لے لے کر خوب سوتی۔ مٹہ اندھیرے اٹھتی اور نہانے دھونے سے فارغ ہو کر دل میں اُمنگ اور حوصلے کے ساتھ اپنے کام میں لگ جاتی۔

اسی طرح رانی کو کام کرتے کرتے بہت دن گزر گئے

ایک دفعہ رانی کا خاوند اپنے بہنوئی کے ہاں کسی کام سے آیا۔ خاص کر دل بہلانے کے خیال سے۔ کیوں کہ بغیر رانی کے راجہ کیا؟ اکیلے راجہ کاج میں اس کا جی نہیں گھٹا تھا۔ اس طرح راجہ نے رانی کو وہاں اچانک دیکھ لیا۔ دیکھتے ہی راجہ رانی کو پہچان گئے۔ ہاں محنت

مزدوری کرنے

سے رانی

کچھ سانولی

سلونی سی

ہو گئی تھی

اور کچھ موٹی

تھادی بھی۔

رانی بھی راجہ

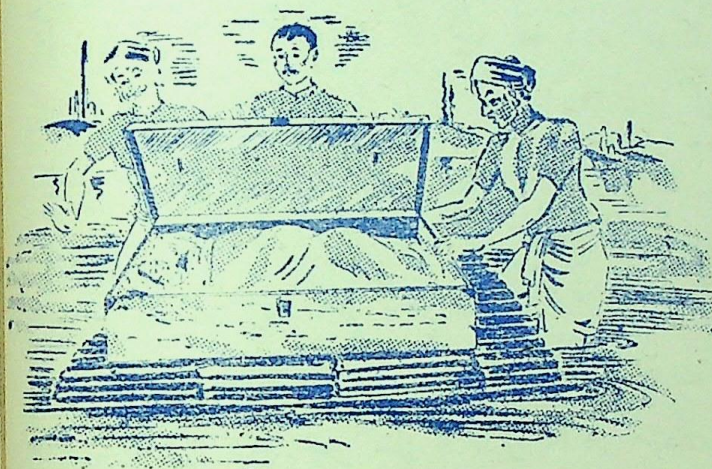
کو پہچان گئی۔

گھاٹ دلوں نے بہترے کو پکار کر گناہ لگایا۔ کھولا تو اس میں ایک خوبصورت عورت تھی۔

پھر راجہ نے پوچھا ہی تو لیا۔ ”کہو تسلوں کا دھوونا تمہیں پسند آیا؟“

رانی مسکراتی ہوئی بولی: ”کیاں چھتی تھیں مگر تسلی نہیں چھتے۔“

راجہ کے بہنوئی دونوں کی بات چیت سن کر حیران



ہوئے۔ اُنھوں نے بھید جانتا چاہا۔ راجہ نے سارا ماجرا
کہہ سنایا۔ بہنوئی راجہ کی بات سُن کر مست ہو گئے۔ اُنھوں
نے رانی کو کام سے سبکدوش کر کے اُس کے آرام
سے رہنے اور کھانے پینے کا انتظام کر دیا۔
”کچھ دنوں کے بعد رانی سے راجہ نے پوچھا:-
”کہو اب کیا حال ہے“

رانی نے کہا:- ”وہ ٹُف کہاں؟ کاہلی اپنی حکومت
تاقیم کرنے چاہتی ہے۔ ڈر لگتا ہے کہ کہیں کلیاں پھر سے
چبھنے نہ لگیں۔“

راجہ نے اپنی رائے ظاہر کی:- ”تو ایک کام کرو
ہم دونوں مل کر دن بھر مزدوری کیا کریں اور رات کو
کلیوں کی بیج پر سوئیں۔“

رانی نے اپنا تجربہ بتا کر کہا:- ”تو پھر کلیوں کی ضرورت
ہی نہ رہے گی۔ ویسے ہی گہری نیند آ جایا کرے گی۔“

راجستھانی بچوں کی لوگ کہانی

اکٹے چندر شرما



ٹمک ٹول

بھوریاتے کیرے کے پاؤں کو
کس کر باندھا اور اسے اٹا
ڈکھایا اور کہتے لگا - آ
پرندے را اب اڑا

بھرپور پھوٹا سے کے دن کھیتوں کی بات نہ پوچھے! باجرے
کی ہری بالیں اُن میں دودھیا دانے اور اُن پر سنہری کوں
کوں جیسے موتیوں پر کسی نے سونے کا پانی پڑھا دیا ہو۔
ترموز کی ہری ہری بلیوں کی نالیں دُور دُور تک پھیلی
ہوئی تھیں۔ ننگ دھڑنگ رہنے والی سنہری ریت نے اپنے
اوپر جیسے ابھی ابھی ہرے رنگ کا باریک دوپٹہ ڈال لیا ہو
اور بھوریئے کسان کا کھیت تو سب سے بازی لے
گیا۔ باجرے کے ایک ایک بوٹے میں دس دس بالیں۔
بھوریا دن بھر ناچتا پھرتا کھیت میں کام کرتا ایک کیڑی
(کبوتر کی طرح کا ایک پرندہ۔ فاختہ) نے بھوریئے کے
کھیت کو دیکھا۔ اُس کا دل لپکا اٹھا۔ وہ ہر روز سویرے
چوگے پانی کے لئے بھوریئے کے کھیت پر پہنچ جاتی پھر
پھر کرتی ہوئی اُڑ کر باجرے پر جا بیٹھتی دانے چھکتی اور

اڑ جاتی - بھوریا پیپیا بجا کر چڑیوں کو اڑاتا۔
 ایک دن بھوریے نے کمیڑی سے کہا:- "تو میرے
 کھیت میں نہ آیا کہ نہیں تو میں تجھے پکڑ لوں گا۔"
 کمیڑی نے کہا:- "کھیت تیرا اکیلے کا نہیں - میری ماں
 میری دادی، میری پڑدادی یہیں دانے چگلتی تھیں - تو مجھے
 پکڑے گا؟ میں پھر پھر کر اڑنے والا پرندہ! میری ماں
 کہتی تھی آدمی کمیڑی کا پٹلا ہے آج بات سچ نکلی۔"
 بھوریا چپ رہا۔ دوسرے دن بھوریا کو شرارت سوجھی
 کمیڑی پر ایک پھندا ڈالا - کمیڑی اڑتی اڑتی کمیڑی پر
 بیٹھنے آئی اور اُس کے پاؤں الجھ گئے - بھوریا تاک میں
 بیٹھا تھا - دوڑا دوڑا آیا - بھوریا نے کمیڑی کے پاؤں
 کو کس کس کر باندھا اور اُسے اٹا لٹکا دیا اور کہنے لگا -
 "او پرندے! اب اڑ!"

کمیڑی بے چاری چپ - وہ کچھ نہ بولی - وہ جانتی
 تھی - بھوریے کا دل پتھر ہے - وہ داد فریاد سے گھٹلنے
 والا نہیں - چونچ کو تھوڑا سا ترچھا کر کے اُس نے صرف
 بھوریے کو دیکھا اور بھوریا کہتا گیا:- "او پرندے! اب
 اڑ کے دکھا۔"
 گائیٹوں کا ایک گوالا کھیت کی منڈیر کے پاس سے نکلا

ایک ہاتھ میں لاٹھی اور دوسرے میں الغوا - گائیٹوں کا
جھنڈ پاس ہی چر رہا تھا - کمیڑی نے روتے روتے کہنا
شروع کیا :-

گائیاں کا گندالیہ رے ویر ٹمرک ٹوں
بندھی کمیڑی چھڑائی ہمارا ویر! ٹمرک ٹوں
ڈوگر لادے بچے رے ویر! ٹمرک ٹوں
نٹھا نٹھا بچے رے ویر! ٹمرک ٹوں
آندھی سوں اڑ جاسی رے ویر! ٹمرک ٹوں
میاں سے گل جاسی رے ویر! ٹمرک ٹوں
ٹوں سوں جل جاسی رے ویر! ٹمرک ٹوں
اے گائیٹوں کے گوالے! لے میرے بھائی
بندھی کمیڑی کو چھڑاؤ نا بھائی !
میرے بچے پہاڑی کے پیچھے ہیں -
وہ آندھی سے اڑ جائیں گے -
میز سے گل جائیں گے -
ٹوں سے جل جائیں گے -

کمیڑی کی آواز میں بے حد دکھ تھا - درد تھا - اُس کا
دل رو رہا تھا - ترپ رہا تھا - گوالا رکا اُس نے کھیجڑی
پر بندھی ہوئی کمیڑی کو دیکھا - گوالے کی آنکھوں میں

موتی کی طرح بڑے بڑے آنسو بھر آئے وہ بیچارہ
 کیا کرتا - بھوریا سے وہ دڑتا تھا - بھوریا جھگڑاؤ
 سوتے ناگ کو کون پھیرے ؟ گوالے نے بھورے سے
 کہا :- بھائی بھوریا ! میری ایک اچھی دودھ والی گائے
 لے لو اور اس کمیڑی کو چھوڑ دو۔“

لیکن بھورے نے کہا نہ بھائی نہ گوالا بیچارہ چلتا بنا
 اتنے میں اونٹوں کا رائگا (اونٹ پرانے والا)
 اُدھر سے نکلا - اُسے مخاطب کر کے کمیڑی نے پھر
 وہی گیت گایا -

رائگا نے بھورے سے کہا :- ”بھائی ! ایک اچھا
 سا اونٹ میرے اونٹوں میں سے لے لو اور اس
 کمیڑی کو چھوڑ دو۔“

بھورے نے کہا :- ”نہ بھائی نہ !“ رائگا چلتا بنا
 اسی طرح بھیرا اور بکری پرانے والا نکلا - مگر بھوریا ٹس
 سے مس نہ ہوا - اتنے میں چوہا بل سے نکلا - چوہے نے
 کمیڑی کو آواز لگاتے ہوئے کہا -

”کمیڑی بائی نیچے آؤ !

دھول میں کھیلو گیت سناؤ“

مگر کمیڑی نے روتے روتے کہا :- چوہے بھیسا !

دیکھتے نہیں بھوریئے نے مجھے باندھ دیا ہے۔ میں تو اب
مر کر ہی نیچے آؤں گی۔ میں اب کبھی نہیں گا سکوں گی
کبھی نہیں کھیل سکوں گی۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے
پہاڑی کے پیچھے...“

یہ کہتے کہتے کمیٹری کا گلا بھر آیا۔ چوہا باہر نکل کر
دیکھنے لگا۔ اُس نے مونچھوں کو ہلاتے ہوئے کہا: ”ڈو
نہیں کمیٹری بہن! بھوریئے کا پھندا تو کیا ایک بار موت
کے پھندے سے بھی تمہیں چھڑا سکوں گا۔“

اتنے میں بھوریا آتا ہوا دکھائی دیا۔ چوہے نے
بھوریئے سے کہا: ”بھوریا! او بھوریا! میرے پاس زمین
میں سونے کا خزانہ ہے۔ تم کمیٹری کو چھوڑ دو تو
میں تمہیں نہال کر دوں گا۔ تمہارا گھر سونے سے بھر
دوں گا۔“ بھوریا سونے کا نام سن کر راضی ہو گیا۔
کہنے لگا: ”چوہے جی راج! تم زمین کے راجہ ہو تمہاری
بات نہیں مانوں گا تو کس کی مانوں گا؟“ اتنا کہہ کر بھوریئے
نے کمیٹری کی ٹانگیں کھول دیں۔ کمیٹری پھر پھر کرتی ہوئی
اڑ گئی۔

چوہا بل میں گھستے ہوئے کہنے لگا: ”سچ، آدمی لالچی
بھی ہے۔ ٹھکر ٹوں!“





سنتری بولا۔ بھائی تمہیں ان باتوں سے کیا لینا ہے۔

اتر پردیش کی لوک کہانی

شونیا ہتھ

سنگترے کی راجماری

کسی ملک میں ایک بہت بڑا جنگل تھا۔ اُس جنگل کے نیچوں نیچے سنگترے کا ایک درخت تھا۔ اُس درخت کے نیچے ایک سنتری پہرا دیا کرتا تھا۔ ایک دن دو شکاری راجمارہ شکار کھیتے ہوئے ادھر آ گئے۔

سنگترے کے درخت کے نیچے کھڑے ہوئے اُس سنتری کو دیکھ کر اُنھیں بہت اچنبھا ہوا۔ کچھ دیر تو وہ دور سے کھڑے اُس سنتری کی طرف دیکھتے رہے۔ مگر وہ کچھ سمجھ نہ سکے۔ پھر آپس میں کچھ صلاح کر کے آگے بڑھے۔ سنتری کے پاس جا کر اُنھوں نے پوچھا ”سنتری جی تم اس سنگترے کے درخت کے نیچے کیوں پہرا دے رہے ہو؟“

سنتری یہ سن کر ہنس پڑا۔ اور پھر کچھ دیر بعد بولا ”بھائی تمھیں ان باتوں سے کیا مطلب؟ اپنا کام کرو۔“ یہ سن کر شکاری اور بھی حیران ہوئے اور سوچنے لگے کہ ایسی کیا بات ہے۔ جو سنتری بتانا نہیں چاہتا اُنھوں نے پھر فیصلہ کرتے ہوئے پوچھا:- سنتری جی ہم تمھارے اس جگہ پہرا دینے کا سبب جانے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے۔“

سنتری بولا:- ”سبب بتانے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر ہاں تمھیں جان کر سوائے دُکھ کے اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اس لئے میں بتانا نہیں چاہتا۔“ بڑا راجگمار بولا:- ”ہم کسی طرح کے دُکھ یا مصیبت سے نہیں گھبراتے۔ ہم ہر طرح کی مصیبت کا مقابلہ

کرنے اور دکھ بھیلنے کو تیار ہیں۔

چھوٹا راجکمار اپنے بڑے بھائی سے بولا۔ ”بھیا چلو
گھر چلیں نہ جانے کیا مصیبت آجائے۔ یہاں جنگل میں تو
کوئی مددگار بھی نہیں ملے گا۔“

بڑا بھائی: ”ڈرنے کی کیا بات ہے۔ ہم تو راجپوت
ہیں۔ اگر تمھیں ڈر لگتا ہے تو تم خوشی سے گھر چلے جاؤ
میں تو ساری بات کا پتہ لگا کر ہی چین لوں گا۔“
چھوٹے بھائی نے کہا۔ نا بھئی میں تمھیں یہاں اکیلا
چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اکیلا میں پتاجی کو کیا منہ دکھاؤں
جیسا تم کہو ویسا ہی میں کروں گا۔“

سنتری بولا: ”تو تم لوگ نہیں مانو گے سبب جانے
بغیر۔ اچھا تو جیسے بھگوان کی مرضی۔ لا بیٹھ جاؤ اس تپڑ
پر اور دھیان سے سٹو۔“ اتنا کہہ کر وہ سنتری بھی وہیں
ایک تپڑ پر بیٹھ گیا اور کچھ دیر سوچ کر سر کھجالتے
ہوئے اُس نے کہنا شروع کیا۔

اس سنگترے کے درخت کا تنہا کھوکھلا ہے۔ اس
میں اتر کر اندر بہت خوبصورت ہیرے جواہرات سے
جھمکتا ہوا ایک محل ملے گا۔ جس میں ایک راجکمار رہتی
ہے۔ اُس راجکمار کے برابر خوبصورت عورت اس

دُنیا میں اور کوئی دوسری نہیں ہے۔ وہ راجکمار ی پھینے میں ایک بار اپنی سہیلیوں کے ساتھ باہر جنگلی میں سیر کرنے نکلتی ہے۔ پورے ناشی کی آدھی رات یہاں جنگلی میں منگل ہو جاتا ہے۔ بس صبح ہونے سے پہلے ہی راجکمار اور اُس کا گروہ واپس اپنے محل میں چلا جاتا ہے۔ یہاں اُسی راجکمار کے محل کی رکھوالی کہتا ہوں۔ اس تے کے اندر محل کے چاروں طرف اور بھی پہرے دار ہیں۔ یہاں بے شمار راجکمار آچکے ہیں۔ اور راجکمار سے بیاہ کرنے کی خواہش دل میں لئے ہوئے موت کے منہ میں چلے گئے ہیں۔ اُن کی حالت دیکھ کر مجھے بہت ترس آتا تھا۔ مگر وہ بھی تمھاری طرح جندی تھے۔ میرے لاکھ منع کرنے پر بھی وہ نہیں مانے۔

بڑا شکاری بولا:- ”بھائی سنتری میں بھی اس راجکمار کو ضرور دیکھنا چاہتا ہوں۔ بھلا ایسی بھی کیا بات ہے جو اتنے لوگ اس کے پیچھے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔“

سنتری نے بہت سمجھایا بھجایا مگر جب وہ نہیں مانے تو اُس نے کہا:- ”اچھا پورے ناشی کی رات کو یہاں آکر کسی جھاڑی میں چھپ کر بیٹھ جانا۔ جب آدھی رات

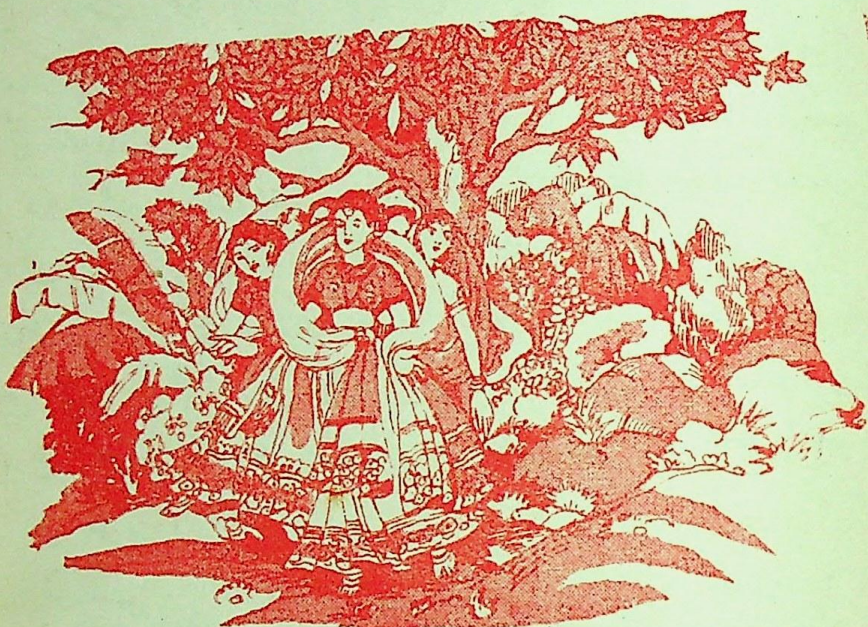
کو راجکمار دی اور اُس کی سہیلیاں باہر نکلیں تو اُسے دیکھ
 لینا۔ لیکن یاد رکھنا کہ بالکل چپ چاپ بیٹھنا ہو گا
 ذرا بھی آواز آنے پر خیر نہ ہوگی۔ سنتری کی بات
 سن کر دونوں شکاری راجکمار نہایت خوش ہوئے اور
 پورنماش کی رات کو پھر وہاں آنے کی ٹھان لی اور اپنے
 گھر چلے گئے۔

جوں توں کر کے پورنماش کا انتظار کیا اور وقت
 آنے پر اپنے باپ کی اجازت لے کر دونوں راجکمار
 شکار کو چل دیئے۔ جنگل میں پہنچ کر انھوں نے دن
 بھر آرام کیا۔ اور رات ہو نے پر وہ سنگترے کے درخت
 کے نزدیک ایک جھاڑی میں جا چھپے۔ آدھی رات ہونے
 پر تنے کے اندر روشنی دکھائی دی۔ پھر ایک نہایت
 خوبصورت لڑکی آہستہ سے باہر نکلی اور چاروں طرف
 دیکھ کر واپس درخت میں گھس گئی۔ پانچ دس منٹ کے
 بعد دس لڑکیاں باہر نکلیں۔ سب کی سب خوبصورت تھیں۔
 پھر راجکمار آہستہ آہستہ باہر آئی۔ اُس کے باہر آتے
 ہی چاند نے بھی اپنا چہرہ ایک بادل کی ٹکڑی میں چھپا
 لیا۔ راجکمار کی خوبصورتی دیکھ کر دونوں راجکمار ہوش
 کھو بیٹھے۔ انھیں ایسا محسوس ہوا کہ وہ ایک عجیب خواب

دیکھ رہے ہیں۔

راجماری اور اس کی سہیلیاں بہت دیر تک وہاں
گاتی۔ بجاتی، ناچتی اور آنکھ پھولی کھینتی رہیں۔ پھر ادھر ادھر سے
کر کے صبح ہونے سے پہلے واپس اپنے محل میں چلی گئیں
بڑے راجماری نے اُن کا پیچھا کرنا چاہا۔ مگر چھوٹے
راجماری نے کسی نہ کسی طرح اُسے روک لیا۔ صبح سنتری
کو دیکھتے ہی بڑے راجماری نے راجماری کے محل میں
جانے کی خواہش ظاہر کی مگر سنتری نے سر ہلا دیا اور کہا:
”وہاں پہنچنا ناممکن ہے۔ راجماری پر کسی نے جادو
کر رکھا ہے۔ اس لئے اُس کے پاس کوئی نہیں جا
سکتا۔ ہاں ایک طریقہ ہے۔ جو کوئی سنگترے کے درخت
پر سے دو پھول لا سکے گا۔ وہی شخص راجماری کے محل
میں جا سکے گا۔ لیکن سنگترے کے درخت کو چھونا منع
ہے۔ اور زمین پر پڑے ہوئے پھول اٹھانے سے
بھی کام نہیں چلے گا۔ درخت پر لگے پھول ہاتھ سے
توڑنا بھی منع ہے۔ اب سوچ لو اگلے مہینے اس درخت
پر پھول آئیں گے۔“

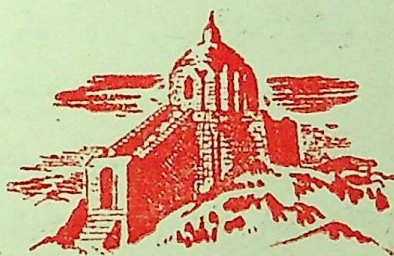
اگلے مہینے دونوں راجماری شکار کا بہانہ بنا کر پھر
اُسی جنگل میں پہنچے۔ وہ بہت کشمکش میں تھے کہ ہاتھ لگاؤ



پھر راجکمار اہستہ اہستہ باہرائی اُس کے باہر آتے ہی چارنے بھی اپنا چہرہ ایک یادوں کی نگہری میں چھپایا۔

بغیر سنگترے کے درخت سے پھول کس طرح توڑے جائیں
تین دن وہ کوشش کرتے رہے مگر پھول ہاتھ نہ لگے۔ رات
کو تھک کر اُسی درخت کے نیچے سو جاتے۔ بے چارے۔
چوتھے دن بہت زور سے ہوا چلنے لگی اور درخت پر
سے پھول زمین پر گر نہ لگے۔ یہ دیکھ کر بڑا راجکمار
اٹھا اور اُس نے دو پھول زمین پر گرنے سے پہلے ہی
پکڑ لئے۔ ایک پھول چھوٹے راجکمار کے ہاتھ بھی لگ

گیا۔ سنتری نے بہت عزت اور محبت سے انھیں نیچے محل
میں پہنچا دیا۔ وہاں دھوم دھام سے بڑے راجکمار کا بیاہ
سنگترے کی راجکمار کی ساتھ ہو گیا اور چھوٹے راجکمار
کا راج کمار کی سب سے پیاری سہیلی کے ساتھ۔ دونوں
راجکمار اپنی اپنی دہن کو ساتھ لے کر اپنے باپ کو
پرنام کرنے پہنچے۔ اور اُن کا آشیر واد لیا۔ ساری راجدانی
میں بہت خوشی منائی گئی۔ بڑا راجکمار تو باپ کے ساتھ راج
کاج سنبھالنے لگا اور چھوٹا راجکمار سنگترے کے محل میں
رہنے لگا۔



۱۲۳



دیکھنے کے فوراً کچھ ناشپاتیاں توڑیں اور کہا — ”تم
میرے حصے کی سب ناشپاتیاں لے لو میں تمہیں اس سے
زیادہ نہیں دے سکتا کیونکہ باقی ناشپاتیاں میرے بھائیوں کی ہیں۔“

من مٹھ ناٹھ

تہائی کی لوک کہانی

تین بھائی

کسی گاؤں میں تین بھائی رہتے تھے۔ وہ اتنے غریب
تھے کہ ان کے پاس اپنا کہنے کے لئے سوائے ناشپاتی
کے ایک درخت کے اور کچھ نہ تھا۔ وہ جس چھوٹی سی
بھونپڑی میں رہتے تھے۔ اُسی کے پاس وہ ناشپاتی کا درخت
کھڑا تھا۔ انھیں اُس ناشپاتی کے درخت سے محبت تھی۔ جب

ناشیاتیاں کچے لگتیں تو وہ اُس درخت پر باری باری سے پہرہ دیتے تھے۔ ایک نہ ایک بھائی ہر وقت ناشپاتی کے درخت کے پاس ڈٹا رہتا تھا۔ جس وقت ایک بھائی پہرے پر ہوتا تھا اُس وقت باقی دو بھائی کھیتوں میں کام کرنے جاتے تھے۔ مگر زیادہ سے زیادہ کام کرنے پر بھی وہ کسی طرح اپنا پیٹ نہ پال سکتے تھے۔ یہاں تک کہ پہننے کے لئے ڈھنگ کے کپڑے نہیں ملتے تھے۔ ایک دن ایک رحم دل پری اُس رستے سے نکلی۔ اُس نے دیکھا کہ یہ تین لڑکے کتے اچھے ہیں۔ پھر بھی ان کے پاس کھانے کے لئے کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ یہ بُہت غریب ہیں۔ اس پر پری کے دل میں رحم آگیا اور وہ سوچنے لگی کہ کسی طرح ان لڑکوں کی مدد کرنی چاہئے۔

بُہت سوچنے پر ایک تجویز اُس کے دماغ میں آئی وہ بھیس بدل کر ایک بھکارن بن گئی اور لنگڑاتی ہوئی ناشپاتی کے درخت کے پاس پہنچی۔ جب وہ وہاں پہنچی تو اُس وقت سب سے بڑا بھائی درخت پر پہرا دے رہا تھا۔ بھکارن نے کہا: ”مجھے کچھ ناشپاتیاں مل جائیں“ لڑکے نے فوراً ناشپاتیاں توڑیں اور کہا: ”تم میرے جیسے کی سب ناشپاتیاں لے لو۔ میں تمہیں اس سے زیادہ

نہیں دے سکتا۔ کیونکہ باقی ناشپاتیاں میرے بھائیوں کی ہیں۔“

بوڑھی بھکارن نے ناشپاتیاں لے لیں اور بڑے بھائی کو آشیر باد دے کر وہاں سے چلی گئی۔

اگلے دن منجھلا بھائی درخت کے پہرے پر تھا۔ رحمدل پری بھکارن کی شکل میں پھر آئی اور اُس نے اُسی طرح سے کچھ ناشپاتیاں مانگیں۔ منجھلے بھائی نے اپنے حصے کی سب ناشپاتیاں اُس بڑھیا کو دے دیں۔ وہ تو اور بھی دینے کے لئے تیار تھا مگر چھوٹے بھائی کے حصے کو وہ ہاتھ لگانا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ اُس سے اگلے دن تیسرے بھائی کے پہرے کی باری آئی۔ رحم دل پری اُسی طرح بھکارن کے بھیس میں آئی اور اُس نے چھوٹے بھائی سے ناشپاتیاں مانگیں چھوٹے بھائی نے باقی سب ناشپاتیاں دے دیں۔ اس طرح درخت پر ایک بھی ناشپاتی باقی نہ رہی۔

اگلے دن صحتینوں لڑکے کھیت پر جانے کی تیاری میں مصروف تھے کہ اتنے میں وہ رحم دل پری اپنی اصلی شکل میں اُن کے جنگے پر اُڑ کر بیٹھ گئی اور بولی: ”لڑکوں! میں نے تم میں سے ہر ایک کی آزمائش کی اور میں نے

یہ دیکھا کہ جہاں تک رحم دل ہونے کی بات ہے۔ تم میں سے کوئی کسی سے کم نہیں۔ میں تم لوگوں سے خوش ہوں۔ اب تم لوگ میرے ساتھ آؤ اور میں تمہیں یہ بتاؤں گی کہ کس طرح تم اچھا کھانا اور اچھے کپڑے پا سکتے ہو؟“

تینوں بھائی اُس کے پیچھے ہو لئے۔ رحم دل پیری انہیں ایک جنگل میں لے گئی۔ اُس جنگل میں درخت اتنے گھنے تھے کہ سورج کی کرنیں بھی کبھی زمین پر نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ پیری انہیں کبھی پہاڑ پر پڑھاتی تو کبھی گھاٹیوں میں سے لے جاتی۔ آخر کار وہ ایک بہت بڑی ندی کے پاس پہنچ گئی جو پہاڑ سے اچھلتی کودتی ہوئی میدانوں کی طرف جا رہی تھی۔

جب سب لوگ یہاں آ گئے تو پیری کھڑی ہو گئی اور اُس نے کچھ کہنا شروع کیا۔ مگر ندی کی دھار سے اتنا شور ہو رہا تھا کہ اُس کی ایک بھی بات کسی کو سنائی نہ دی۔ اور اُس نے ہر ایک پاس جا کر اُس کے کان میں اپنی بات کہی۔ اس نے بڑے لڑکے سے کہا۔ یہاں میں تمہیں جو تم مانگو گے وہ دوں گی۔ اس لئے کچھ مانگ لو۔“

بڑا بھائی اُس وقت پیاس کے مارے پریشان ہو رہا تھا۔ اُس نے بغیر کچھ سوچے سمجھے کہہ دیا: ”میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ پوری ندی شربت بن جائے اور یہ میری ہو“ پری نے اپنی جادو کی لکڑی گھمائی اور وہ پہاڑی ندی وسیع جھاگ دار سفید پانی سے بدل کر لال شربت کی شکل میں آگئی۔ جب ایسا ہو گیا تو پری نے کہا: ”تم نے جو مانگا وہ پورا ہو گیا۔ اب اتنی بات یاد رکھنا کہ تم اس کا اچھا استعمال کرنا۔“

بڑا بھائی وہیں رہ گیا۔ پری دونوں چھوٹے بھائیوں کو ایک ہرے بھرے کھیت کے سامنے لے گئی۔ اُس کھیت کے پاس ایک گھاس کا میدان تھا اور اُس میں سینکڑوں فاختائیں تھیں۔ یہ فاختائیں بیج اور کیرے ڈھونڈنے میں مصروف تھیں۔ رحم دل پری نے منجھلے بھائی سے کہا: ”اب تم کوئی بچر مانگ لو۔ مگر سوچ سمجھ کر مانگنا۔“ ”منجھلے بھائی نے تھوڑی دیر تک سوچ کر کہا: ”میں یہ چاہتا ہوں کہ میں ایک اچھا کسان بن جاؤں۔ اس لئے آپ ان فاختاؤں کو بھیڑیں بنا دیں اور میں اُن کا مالک ہو جاؤں۔“

رحم دل پری نے جادو کی لکڑی گھمائی اور یکایک

یہ نظر آیا۔ کہ وہاں فاشاؤں کی بجائے بھیڑیں چر رہی ہیں۔ پری بولی :- ”وہ دیکھو وہ سامنے والا کھیت تمھارا ہے۔ یہ بھیڑیں بھی تمھاری ہیں۔ اگر تم چاہو تو ایک اچھے کسان بن سکتے ہو اور تمھیں کسی بات کی کمی نہیں رہے گی۔ اپنا مستقبل بنانا یا بگاڑنا تمھارے ہی ہاتھ ہے۔“

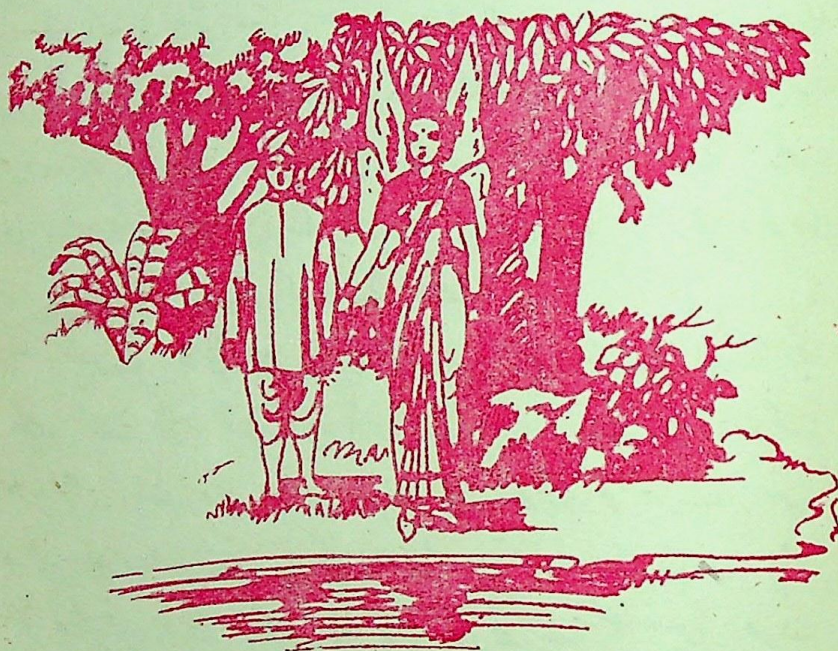
اس کے بعد پری سب سے چھوٹے بھائی کو لے کر پہاڑوں کی طرف چلی۔ جب وہ ایک پہاڑ کے نیچے پہنچ گئی تو اُس نے چھوٹے بھائی سے پوچھا :- ”تمھارے دل میں کیا خواہش ہے؟ ہو پینز چاہو مانگ لو۔“

چھوٹے بھائی نے فوراً جواب نہیں دیا۔ وہ بہت دیر تک سوچتا رہا پھر آخر بولا :- ”میں ایک خوبصورت سی سگڑ راجکمار ہی چاہتا ہوں۔ جس سے میں شادی کر سکوں۔“

اس پر وہ پرہیزگارائی اور بولی :- ”تم جو مانگ رہے ہو وہ بہت مشکل ہے۔ پھر بھی میرے ساتھ آؤ۔ دیکھو کیا کیا جا سکتا ہے۔“

بہت دنوں تک پری اُس لڑکے کو اپنے ساتھ لے کر پھرتی رہی۔ کئی دن یوں نہیں گزر گئے۔ آخر وہ ایک شہر میں آئے۔ جہاں ایک بڑا راجہ رہتا تھا۔ پری سید ہی راج محل میں گئی۔ اور بولی :- ”کیا میں راجکمار ہی سے

مل سکتی ہوں؟ میں نے سنا ہے۔ کہ راجکمار کی بھرت اچھی
اور خوبصورت ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ ہے کیسی؟
پری کو اجازت مل گئی مگر چھوٹا بھائی دل ہی دل میں



اس نے بڑے سوچے سمجھے کہہ دیا۔ میں یہ چاہتا ہوں

کہ یہ پوری نئی شرت بن جائے اور یہ میری ہو۔

گھبرا رہا تھا کہ میں ایک بھرت ہی معمولی آدمی ہوں۔ بھلا
میری شادی ایک راجکمار سے کیوں کر ہو سکتی ہے۔ پری
نے یہ جھانپ لیا کہ وہ لڑکا کیا سوچ رہا ہے۔ وہ اُس

کی ڈھارس بندھاتی رہی۔ اتنے میں وہ راج محل کے بڑے دالان کے اندر آ گئے۔

جب وہ وہاں پہنچے تو اُنھوں نے دیکھا کہ اُن سے پہلے بہت سے دوسرے لوگ راجکماری سے شادی کرنے کے اُمیدوار بیٹھے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان میں سے دو تو خاں اُمیدوار ہیں۔ سامنے ہی وہ تمام کھجے اور سوغاتیں رکھی ہوئی تھیں۔ جو دو لھے راجکماری کے لئے لے کر آئے تھے۔ پری نے اُن چیزوں کے پاس ہی بیروں کی ٹوکری رکھ دی جسے وہ رستے میں چن کر لائے تھے۔

چھوٹے بھاٹی نے پری کو جب ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو اُسے بہت شرم آئی اور اُس نے ایسا کرنے سے روکنا چاہا۔ اُس نے دل میں یہ سوچا کہ یہ لوگ تو ہیرے سونا چاندی اور خدا جانے کیا کیا لائے ہیں۔ ان کے پاس بیروں کی یہ ٹوکری ہوگی۔ اُس سے کام تو کچھ بنے گا نہیں صرف ہنسی ہی ہوگی۔ مگر اس بات پر پری مسکراتی رہی اور منع کرنے پر بھی اُس نے بیروں کی ٹوکری وہیں رہنے دی۔

اس کے بعد دالان کے لوگوں میں کچھ چہل پہل سی نظر آئی۔ سب کے سب کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ راجہ اس وقت راجکماری کے ساتھ اُس دالان میں داخل ہو رہے تھے۔ اُن

کے لئے ایک کنارے پر ایک تخت رکھا ہوا تھا۔ وہ اُسی پر جا کر بیٹھ گئے۔ تو تینوں اُمیدوار سرینچا کر کے کھڑے ہو گئے راجکمار نے جلد ہی اس بات کو تاڑ لیا کہ اگرچہ چھوٹا بھائی پھٹے کپڑوں میں تھا۔ پھر بھی وہ دیکھنے میں دوسرے اُمیدواروں سے زیادہ خوبصورت نظر آتا تھا۔ اور وہ مزاج کا بھی اچھا معلوم ہوتا تھا۔ دو اُمیدواروں میں سے ایک ادھیڑ اور موٹا تھا۔ اور دوسرا لمبا اور دُبلّا تھا۔ راجکمار کو وہ دونوں پسند نہیں آئے۔ اُس نے اپنے باپ سے کہا کہ وہ اُس پھٹے کپڑوں والے نوجوان سے شادی کرنا پسند کریگی مگر راجہ کی یہ خواہش تھی کہ راجکمار باقی اُمیدواروں میں سے کسی سے شادی کرے۔ کیونکہ وہ بہت امیر تھے۔ مگر راجہ کو ساتھ ہی ساتھ اپنی لڑکی کا بہت خیال تھا۔ اس لئے وہ اُسے دُکھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ راجہ نے سوچا بھلا یہ کس طرح پتہ لگے کہ ان میں سے کون سب سے اچھا ہے۔ جب پری نے یہ دیکھا کہ راجہ ادھیڑ بن میں پڑا ہوا ہے۔ تو وہ آگے بڑھی اور بولی :- ”ہاراج آپ اس طرح یہ معاملہ طے کریں کہ ان تینوں کو انگوڑ کی تین نئی بلیں اپنے محل میں لگانے کو دیں۔ جس کی بلی میں تین دن کے اندر ہی پھل آ جائے اُسی سے اپنی لڑکی کی شادی کریں۔“

راجہ نے دل ہی دل میں سوچا کہ یہ طریقہ اچھا رہے گا۔
کیونکہ نہ تو تین دن میں کسی بیل میں انگور لگے گا۔ اور نہ ہی
ان میں سے کسی کے ساتھ میری بیٹی کی شادی ہوگی۔ اس
لئے راجہ نے فوراً حکم دے دیا۔ انگور کی تین نئی بیلیں لاکر
حاضر کی گئیں۔ ان بیلوں پر اُمیدواروں کے نام کھود دیئے
گئے۔ اور انھیں راج محل کے باغ میں لگا دیا گیا۔

راجہ ماری ہر گھنٹہ دیکھتی رہی کہ کسی بیل میں پھل آتا ہے
کہ نہیں۔ مگر کسی میں بھی پھل آتا ہوا دکھائی نہ دیا۔ جب دو
دن ہو گئے تو راجہ ماری بہت مایوس ہوئی۔ اور وہ سمجھ
گئی کہ ان میں سے کسی میں بھی پھل نہیں آئے گا۔ وہ دل
ہی دل میں دُعا مانگ رہی تھی۔ کہ اُس غریب نوجوان کے
نام سے جو بیل لگائی گئی تھی۔ اُس میں پھل لگے۔ اور اس
طرح اس کی اُس کے ساتھ شادی ہو جائے۔

تیسرے دن راجہ ماری مایوس ہونے پر بھی انگور کی
بیل کو دیکھنے کے لئے گئی۔ رستے میں وہی غریب نوجوان
ملا۔ اس پر راجہ ماری نے یہ سمجھا کہ اتنے بڑے راج محل
میں شاید یہ رستہ بھول گیا ہے۔ مگر غریب نوجوان بھی انگور
کی بیل دیکھنے ہی جا رہا تھا۔ جب دونوں ساتھ ہی ساتھ
بیلوں کے پاس پہنچے تو اُنھوں نے دیکھا کہ ایک بیل میں،

بہت سے خوبشورت انکور لگے ہیں۔ جب راجکمار نے یہ دیکھا کہ یہ وہی بیل ہے جس پر اُس نوجوان کا نام لکھا ہے۔ تو اتنی خوش ہوئی کہ تالیاں بجانے لگی۔ نوجوان بھی خوشی سے اٹھل پڑا دونوں مل کر راجہ کے پاس پہنچے۔ راجہ اس بات پر بہت خوش نہیں ہوا۔ کیونکہ راجہ کا یہ کہنا تھا۔ کہ اتنے غریب نوجوان کے ساتھ راجکمار کی کا بیاہ ہو نہیں سکتا۔ مگر وعدہ تو کیا جا چکا تھا پھر جانے کا کوئی رستہ نہیں تھا۔ شادی ہو گئی اور اُس کے بعد وہ نوجوان اپنی دُلہن کو جنگل کے اندر ایک چھوٹے سے مکان میں لے گیا یہ مکان اُسے پری کی طرف سے ملا تھا۔ اسی چھوٹے سے مکان میں وہ لوگ خوشی کے ساتھ رہنے لگے۔

ایک سال کے بعد پری یہ دیکھنے کے لئے نکلی کہ تینوں بھائی کس طرح زندگی بسر کر رہے ہیں۔ پہلے وہ بڑے بھائی کے پاس گئی۔ وہاں اُس نے بھکارن کی شکل اختیار کر کے اُس سے ایک پیالہ شربت مانگا۔ جن دنوں وہ غریب تھا۔ اُن دنوں اُس نے بھکارن کو اپنا سب کچھ دے دیا تھا۔ مگر اب جب کہ اُس کے پاس دولت ہی دولت تھی ایک پیالہ شربت بھی نہیں دیا۔ وہ بولا: ”اسی طرح میں ہر ایک کو شربت دیا کروں تو بس کام ہو چکا۔ پھر

تو میں اسی کام کا رہ جاؤں گا۔“ پری چلی گئی اور اُس کے پیٹھ پھرتے ہی وہ ندی، شربت کی ندی سے بدل کر پھر سے پانی کی ندی بن گئی۔ بڑے بھائی نے دیکھا کہ اُس پر کیا آفت آئی ہے۔ وہ پری کی خوشامد کرنے لگا۔ مگر پری نے سر ہلاتے ہوئے کہا: ”جو جس چیز کے قابل نہیں ہے اُسے وہ چیز نہیں ملنی چاہئے۔“

اب پری منجھلے بھائی کے پاس پہنچی۔ وہاں اُس نے کھانا مانگا۔ اس پر منجھلا بھائی بولا:۔ ”میں کبھی مُفت میں کچھ نہیں دیتا۔ میری سمجھ میں ایسی بخشش کا مطلب یہ ہے۔ کہ سست لوگوں کا حوصلہ بڑھایا جائے۔“

اُس کا ایسا کہنا تھا کہ وہ ساری کھیتی اور بھڑیں وہاں سے غائب ہو گئیں۔ سامنے ایک اُجڑا ہوا میدان دکھائی دیا جس میں ناختمائیں چُک رہی تھیں۔ اب پری بولی:۔ ”جا کر اُس ناشپاتی کے درخت کے نیچے بیٹھو۔ اور وہاں بیٹھ کر اپنی غلطی پر غور کرو۔ یاد رکھو کہ جھگوان نے اگر تمہیں کسی قابل بنایا ہے تو دوسروں کی مدد کرنے سے پیچھے نہ ہٹو۔“

اب پری تیسرے بھائی کے ہاں پہنچی۔ اُس وقت چھوٹا بھائی اپنی دُلہن کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ بھکارن کو سامنے

دیکھتے ہی اُسے پچھلے دن یاد آگئے۔ اور بغیر بھکاریں کے کچھ کہے وہ بولا:- ”آؤ اندر آؤ اور ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ“ لیکن پری نے جو نظر دوڑائی تو دیکھا کہ وہاں روٹیاں ختم ہو چکی تھیں۔ مگر راجکمار ہی بولی:- ”میں ابھی اور روٹی پکا کر لاتی ہوں۔ آپ اتنی دیر بیٹھ کر سستا میں۔ جو کچھ بکھا سو کھا گھر میں ہے جلد ہی تیار کر کے لاتی ہوں“

راجکمار ہی روٹی بنانے میں لگ گئی۔ اور تھوڑی دیر میں روٹیاں تیار ہو گئیں۔ پری کو پیٹ بھر کھانا کھلایا گیا اس کے بعد جب وہ جانے لگی تو راجکمار نے بہت محبت سے کہا:- ”ماں جی آج رات آپ اس جگہ ٹھہر جائیں“ اس پر پری نے اپنی جادو کی ٹکڑی گھمائی۔ اور چاروں طرف بہت زور شور سے گرج مٹائی دینے لگی۔ ڈر کر چھوٹے بھائی اور راجکمار نے آنکھیں بند کر لیں اور وہ زمین پر لیٹ گئے۔ جب شور بند ہوا اور اُنھوں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ وہ چھوٹا سا مکان اُڑ گیا ہے۔ اور اُس کی جگہ ایک بڑا بھاری راج محل کھڑا ہے۔ یہ اتنا بڑا تھا کہ راجکمار کے باپ کے پاس بھی اتنا بڑا راج محل نہیں تھا۔ اب وہ اُسی میں سکھ چین سے رہنے لگے۔ اور برسوں تک لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتے رہے۔



ایک کشمیری لوک کہانی

اس کی بیوی نے صندوق کا ڈھکنا
کھولا اور وہ کپڑے نکال کر اُسے
دکھائے مگر منہ سے کچھ نہ کہی

سند لال جتیا

لوہار کی لڑکی

سری نگر میں ایک دولت مند سوداگر رہتا تھا۔ اُس کے پاس ہر طرح کے سکے کے سامان تھے۔ لیکن اُسے ایک بات کا بہت دُکھ تھا۔ اُس کا ایک ہی بیٹا تھا اور وہ بھی بالکل بے سمجھ۔ سوداگر یہ سوچ سوچ کر کہ اُس کا نالائق بیٹا اُس کی کمائی ہوئی دولت کو برباد کرے گا نہایت دُکھی رہتا

تھا۔ لیکن سوداگر کی بیوی کچھ اور ہی سوچتی تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ اس کا نالائق بیٹا لائق بیوی پا کر بے سمجھ نہیں رہ سکے گا۔ اس لئے وہ ہر روز اپنے خاوند سوداگر سے کہتی ”بیٹا بڑا ہو گیا ہے۔ اس کا بیاہ کرنا چاہئے۔ جس سے ہم بھی گھر میں ایک مٹھو لا کر اپنی زندگی کے باقی دن سکھ سے بسر کر سکیں۔“

سوداگر جواب میں کہتا: ”بیاہ کرنا تو ٹھیک ہے مگر کیوں کسی بے چاری کو اس کم عقل کے پتے باندھنے کو کہتی ہو۔ اُس بے چاری کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ بیٹا مدھر نہیں سکتا۔ نادان ہے اور نادان ہی رہے گا۔ ہمارا نام ڈبوئے گا اس لئے مجھ سے اس بارے میں کچھ بھی نہ کہا کرو۔“

لیکن بیوی کے بار بار ہٹ کر نے پر وہ ایک دن راضی ہو گیا۔ مگر ایک شرط طے ہوئی۔ وہ یہ تھی کہ سوداگر نادان بیٹے کو ایک بار پھر سے آزمائے۔ بیوی نے یہ شرط مان لی۔

سوداگر نے دوسرے دن اپنے بیٹے کو پاس بلا لیا اور کہا: ”بیٹا یہ دو تین پیسے۔ ان کو لے کر بازار جاؤ۔ ایک پیسے میں اپنے لئے کچھ چنیاؤ۔ دوسرے کو پانی میں ڈال دو۔ تیسرے پیسے سے پانچ چیزیں مول لو۔ کچھ کھانے

کی۔ کچھ پینے کی، کچھ چبانے کی، کچھ باغ میں بونے کی اور کچھ گائے کو کھلانے کے لئے۔“

سوداگر کا بیٹا تین پیسے لے کر بازار گیا۔ پہلے پیسے میں اپنے لئے کچھ کھانے کی چیزیں لیں اور ندی کی طرف چلا۔ ندی پر پہنچ کر وہ سوچنے لگا کہ پیسہ تو کام کی چیز ہے۔ میں اسے ندی میں کیوں پھینک دوں۔ مگر باپ کا حکم بھی تو ماننا ہی ہے۔ یہ سوچتے سوچتے اُس نے نہ تو ندی میں پیسہ پھینکا اور نہ یہ سوچ سکا کہ کیا کیا جائے۔ وہ وہیں ندی کے کنارے بُت کی طرح کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں وہاں ایک نوجوان لڑکی آئی۔ اُس نے جب سوداگر کے بیٹے کو اس طرح دیکھا تو پاس آ کر بولی: ”آپ کیا سوچ رہے ہیں؟“

سوداگر کے بیٹے نے ساری بات کہہ سنائی تو وہ بولی: ”پیسہ ندی میں پھینکنا نادانی ہے۔ یہ تو پاس رکھنے کی چیز ہے اور ایک پیسے میں پانچ چیزیں مول لینے سے تمہارے باپ کا مطلب یہ ہے کہ تم ایک تر بوند مول لے لو اُس میں یہ پانچوں چیزیں ہیں۔“

یہ نوجوان لڑکی وہاں کے لوہار کی دانا بیٹی تھی۔ سوداگر کے بیٹے نے اُس کی بات مان لی۔ وہ بازار سے ایک

ترہ بوز مول لے کر گھر گیا اور اُسے باپ کے سامنے رکھا
 اُس کا باپ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اُس کا بے سمجھ بیٹا
 یکا یک دانا کس طرح ہو گیا۔ اس پر اُس نے اُس سے
 پوچھا۔ ”بیٹا سچ بتاؤ تمہیں یہ چیز مول لینے میں کس نے
 مدد دی۔ یہ تو تمہاری عقل سے باہر ہے۔“

بیٹے نے اُسی وقت ساری بات کہہ دی۔ سوداگر نے
 لوہار کی لڑکی کی دانائی کی داد دی اور دل میں فیصلہ کر لیا
 کہ اگر بیٹے کا بیاہ کرنا ہی ہے تو اسی لڑکی سے ہونا چاہیے
 اُس نے یہ بات اپنی بیوی سے بھی کہہ دی۔ اُسے بھی یہ
 بات بہت پسند آئی۔

دن گذرتے گئے۔ ایک دن سوداگر لوہار کے گھر اس
 خیال سے گیا کہ اُس کی لڑکی سے بیٹے کے بیاہ کی بات
 پکی کرے۔ لیکن اُس وقت نہ تو لوہار ہی گھر پر موجود تھا
 اور نہ اُسی کی بیوی۔ لوہار کی بیٹی نے امیر مہمان کو عزت سے
 جگہ دی اور چائے بنائی۔ سوداگر نے چائے کا پیالہ لیتے ہوئے
 کہا:- ”بیٹی تمہارے ماں باپ کہاں گئے ہیں؟“

ہو شیار لڑکی نے جواب دیا:- ”میرے باپ تو بازار
 سے ایک کوڑی کا میرا مول لانے گیا ہے اور ماں ایک کے گھر کچھ
 باتیں بیچنے گئی ہے۔“

سوداگر نے لاکھ کوشش کی کہ اس بات کو سمجھ لے۔ مگر سمجھ نہ سکا۔ اس لئے اُس نے پھر کہا۔ ”بیٹی میں تمھاری باتیں نہیں سمجھ سکا۔ مہربانی کر کے مجھے سمجھا دو۔“

یہ سن کر وہ بولی :- ”میرے باپ تو دیٹھ کے لئے ایک کوڑی کا تیل لانے گئے ہیں۔ میری ماں کسی کا بیاہ طے کرنے کے لئے گئی ہیں۔ یہی اس کا مطلب ہے۔“

اتنی دیر میں لوہار اور اُس کی بیوی دونوں آگئے سوداگر نے اُنھیں اپنے آنے کا سبب کہہ سنایا۔ وہ اس بات کو مان گئے اور سوداگر کے نادان بیٹے کا بیاہ لوہار کی دانا بیٹی کے ساتھ طے ہو گیا۔

دوسرے دن ہی سارے شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ سوداگر اپنے بیٹے کا بیاہ ایک لوہار کی بیٹی سے کرنے والا ہے۔ شہر میں طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں۔ بہت سے شہری لوگوں کو جلن بھی ہوئی کہ ایک غریب باپ کی بیٹی بڑے سوداگر کی بہو ہو جائے گی۔ وہ اسے سہہ نہ سکے اور ایک دن سوداگر کے بیٹے سے عیا کر پڑے :- ”دیکھو جی تم میرے ہو۔ اس بیوی سے جو تم جانتے ہو۔ غریب باپ کی بیٹی ہے تم دُکھ پاؤ گے۔ اس لئے اسے قابو میں رکھنے کے لئے ہر رات جوتوں سے اُس کی مرمت کرتے رہنا نہیں تو آخر کار

وہ سر پر سوار ہو جائے گی۔“ دوستوں کی یہ بات اُس نادان نے مان لی۔

جب اس بات کا پتہ لوہار کو چلا تو اُس نے اپنی بیٹی کو اس بات پر مجبور کرنا چاہا کہ وہ ایسے نادان سے بیاہ نہ کرے مگر اُس نے کہا:- ”میں بیاہ کروں گی اور اسی سوداگر کے بیٹے سے کروں گی۔“ پھر سمجھا کر بولی:-

”آپ کوئی فکر نہ کریں۔ وہ جو کچھ کہتا ہے ویسا کبھی نہ ہوگا۔ اپنی عقل سے سب کی زندگی کو سُکھی بناؤں گی۔“

کچھ دن بعد بہت دھوم دھام کے ساتھ اُن کا بیاہ رچایا گیا۔ پہلی ہی رات سوداگر کے بیٹے نے اپنے شریر دوستوں کی نصیحت پر چلنے کے ارادے سے جوتا اٹھالیا۔ اور یہ سوچ کر کہ اُس کی بیوی سوئی ہوئی ہے۔ اُس نے اُسے جوتوں سے پیٹنے کی کوشش کی۔ مگر اُس نے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا:- ”دیوتا سہاگ رات کو ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ یہ بُری بات ہے۔“

اُس کا شوہر یعنی سوداگر کا بیٹا مان گیا۔ اس طرح وہ ہر رات اُسے کچھ نہ کچھ کہہ کر ٹالتی رہی۔ سات دن کے بعد بہو اپنے میکے چلی گئی۔ یار لوگوں کو جب سوداگر کے بیٹے سے پتہ چلا کہ اُس نے اُن کے کہنے پر عمل نہیں کیا ہے۔ تو بولے:- ”مُم تو ڈر پوک ہی نکلے۔ اب دیکھنا تمھاری بیوی تمھیں کیسا ناچ بنائے گی۔“

بہو تو میکے گئی اور ادھر سوداگر نے اپنے بیٹے کو بہت سا
 مال و دولت نوکر چاکر سواری وغیرہ دے کر باہر کے ملک
 میں بوجھ کر گئے کو بھیجا۔ سوداگر کا خیال تھا کہ اس سے اُس
 کا بیٹا کچھ تجربہ حاصل کرے گا۔ سوداگر کا بیٹا پردیس جاتے
 ہوئے ایک دن ایک شہر میں پہنچا۔ وہاں اُس نے ایک
 ایک عالی شان محل کی ایک کھڑکی سے ایک خوبصورت نوجوان
 لڑکی کو جھانکتے ہوئے دیکھا۔ محل کے چاروں طرف ایک اونچی
 دیوار تھی۔ اور اُس کے چاروں طرف سیب، ناشپاتی اور باداموں
 کا ایک بڑا باغ تھا۔ اُس خوبصورت عورت نے سوداگر کے
 بیٹے کو محل میں آنے کا اشارہ کیا۔ سوداگر کا بیٹا محل کے اندر
 اپنے سب نوکر چاکر اور مال وغیرہ لے کر گیا۔ کچھ ٹیٹی ٹیٹی
 باتیں کرنے کے بعد نوجوان عورت نے اُسے نزد (ایک خاص
 طرح کی شطرنج) کھیلنے کو کہا۔ اُس نے کھیلنا منظور کر لیا۔ مگر
 سوداگر کا بیٹا نزد کھیلنا تو جانتا ہی نہ تھا۔ اور وہ نوجوان عورت
 اس میں بُری ماہر تھی۔ کچھ ہی بازیوں کے بعد سوداگر کا بیٹا
 اپنا سب کچھ اور اپنے آپ کو بھی ہار گیا۔ اُس عورت نے اُس
 کا مال و دولت اپنے خزانے میں جمع کر لیا اور اُسے اُس کے
 نوکروں کے ساتھ قید خانے میں بند کر دیا۔ قید خانے میں
 اُس کے ساتھ بُرا سلوک ہونے لگا۔ اور وہ بہت مڑپڑ

ہو گیا۔

قید خانے کی سلاخوں میں سے اُس نے ایک دن ایک ماہگیر سے درخواست کی کہ وہ اُس کی بات سُن لے۔ مسافر کے یہ کہنے پر کہ وہ سری نگر کا رہنے والا ہے۔ سوداگر کے بیٹے نے اُسے خط لے جانے کو کہا۔ مسافر نے اُس پر رحم کر کے اُسے قلم دوات اور کاغذ لا کر دیا اور اُس نے دو خط لکھ کر اُسے دیئے ایک خط تو اُس نے اپنے باپ کو لکھا۔ جس میں اُس نے سب حال سچ سچ لکھ دیا اور دوسرا اپنی بیوی کے لئے جس میں اُس نے لکھا: "میں اب بہت دولت مند ہو گیا ہوں اور اب جلد آکر تمہارے خوب جوتے ماروں گا۔" مسافر دونوں خط لے کر رخصت ہوا وہ بے چارہ اُن پڑھ تھا۔ شہر میں آکر اُس نے باپ کے نام کا خط لوہار کی لڑکی کو دیا اور اُس کا خط سوداگر کو لوہار کی لڑکی نے خط دیکھا تو بہت دکھی ہوئی اور اُسی وقت سوداگر کے پاس گئی۔ اُس نے بھی اپنا خط دکھایا۔ لائق بہو نے سوداگر سے مال و دولت مانگ کر اُسی طرح شہر سے پردیس کیلئے کوچ کیا اور اپنی شکل ایک سوداگر کی بنا کر وہ بھی اُسی محل کے پاس آئی۔ محل میں جا کر اُس نے اُس عورت کو نرزد کھیلنے کے لئے لٹکارا۔ نوجوان عورت کے نوکروں کو لالچ دے کر اُس نے پہلے ہی اپنا طرف دار کر لیا۔ اور اُس کے ہر بار جیتنے کا بھیید

بھی جان لیا۔ دوسرے دن اُس نے نرود کی سب بازیاں جیت کر اُس نوجوان عورت تک کو جیت لیا اور اُسے اپنا قیدی بنا لیا۔ اُسی وقت اُس نے اپنے شوہر کو قید سے باہر نکلوایا اور اُس کے کپڑے بدلوائے۔ مگر وہ اُسے نہ پہچان سکا۔

اگلے دن لوہار کی بیٹی اپنے شہر کے لئے روانہ ہو گئی۔ اُس ہاری ہوئی نوجوان عورت کا سب مال بھی اوتھوں اور گھوڑوں پر لاد لیا اور اپنے خاوند کی قید کی پوشاک کو ایک صندوق میں بند کر دیا کہ اُس کو اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ شہر سے باہر پہنچے ہی اُس نے اپنے شوہر کو سب مال لے کر گھر جانے کو کہا اور بولی :- آپ گھر جائیے میں بھی جلد ہی آپ سے ملنے آتا ہوں۔

گھر پہنچنے پر سوداگر کے بیٹے کا استقبال بہت اچھی طرح ہوا۔ اُس کے ماں باپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ کچھ دن بعد اُس کی بیوی بھی وہاں آئی۔ سوداگر کا نادان بیٹا یہ سوچ کر کہ وہ اب بہت مال دار ہے۔ یکایک اٹھا۔ اُس نے اپنے پاؤں سے جوتا اتارا اور اپنی بیوی کو پیٹنے کو آمادہ ہوا۔ اُس کی بیوی نے اُس کی قید کی نشانی، کپڑوں کا وہ صندوق جو ساتھ لائی تھی، منگوائی۔ اُس نے اس کا ڈھکنا کھولا اور وہ کپڑے نکال کر اُسے دکھائے مگر مُتہ سے کچھ نہ کہا۔ سوداگر کا بیٹا یہ دیکھ کر حیران ہوا اور سب بات سمجھ گیا۔ کہ اُسے

چھڑانے والا اُس کی دانا بیوی کے سوا اور کوئی نہیں تھا
 وہ بہت شرمندہ ہوا۔ اُس نے اپنی ساری کہانی کہہ سنائی
 اور اُس سے معافی مانگ لی۔ اس کے بعد وہ دونوں سکھ سے
 زندگی بسر کرنے لگے۔





دیکھنے والے بھی ادھر سے کو دیکھ کر ترس کھاتے مگر سب بھائی
اس کی ہنسی اڑاتے اور لوگ پکار تہنٹی میں چڑھتے۔

لوگ کہانی پر مبنی

شری شانتی گیتا

ادھر

رکسی ملک میں ایک راجہ رہتا تھا۔ اُس کے سات بیٹے تھے
اُن میں سے چھ بیٹے لمبے چوڑے اور خوب موٹے تازے تھے
لیکن سب سے چھوٹا بیٹا آدمے جسم کا تھا۔ اُس کے ایک

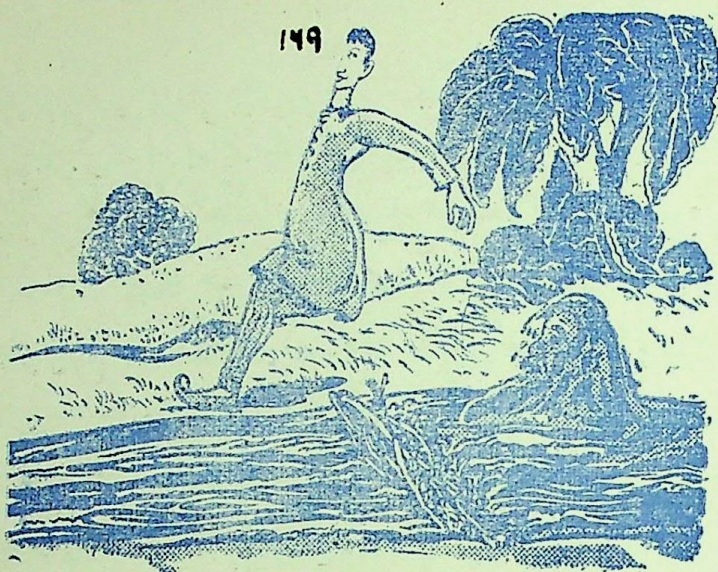
ہی ہاتھ تھا۔ ایک ہی پاؤں، ایک ہی آنکھ ایک ہی کان آدمی
 ناک اور آدھا سر تھا۔ اس نے سب اُسے ادھر ا کہہ کر پکارتے
 تھے۔ ادھر ا قد کا چھوٹا تھا۔ اُس کی آنکھ بالکل چھوٹی سی تھی
 جب وہ کوئی چیز دیکھتا تو اپنی آنکھ جلدی جلدی گھماتا۔ اُس کا
 کان بھی چھوٹا سا تھا۔ جب وہ کچھ سننے کی کوشش کرتا تو
 کان پر ہاتھ لگا لیا کرتا۔ یہ سب تو تھا ہی، اُس کی چال سب
 سے بڑھیا تھی۔ ایک ٹانگ سے مرنے کی طرح اکڑا کر چلتا۔
 ادھر سے کی ماں اُسے اپاہج جان کر اُس کا سب سے
 زیادہ دھیمان رکھتی۔ اُس کا لاڈ پیار ادھر سے پر ہی رہتا۔ دیکھنے
 والے بھی ادھر سے کو دیکھ کر ترس کھاتے مگر سب بھائی
 اُس کی ہنسی اُڑاتے اور نوکر چاکر تنہائی میں چڑھاتے۔ ادھر ا
 اُن سب کی شکایت کرتا تو اُنہیں خوب ڈانٹ پڑتی۔ لاڈ پیار
 سے رفتہ رفتہ ادھر سے کا مزاج بگڑ گیا۔ وہ سب سے اکڑ کر
 بولتا۔ کبھی کسی کی مدد نہ کرتا۔ اور نہ کسی کے دکھ درد میں
 کام آتا۔ وہ گھمنڈی بھی ہو گیا۔ اور اپنے آپ کو بُہت
 چالاک سمجھنے لگا۔

رفتہ رفتہ ادھر ا بڑا ہوا۔ اب اُسے دُنیا دیکھنے کی
 خواہش ہوئی۔ اُس نے اپنی خواہش ماں سے کہی۔ ماں نے
 اُسے بہت سنبھالیا کہ باہر جا کہ بہت تکلیفیں اٹھانی پڑتی

ہیں۔ اور اس پر وہ تو ادھڑا تھا۔ کہیں مصیبت میں پڑ جائے تو بچنا بھی مشکل۔ ماں نے بہت منع کیا۔ مگر ادھڑا کہساں رکھنے والا تھا۔ اُس کی تو عادت تھی کہ جب کبھی کوئی دُھن سما جاتی تو ضرور اُسے پورا کمر کے چھوڑتا۔ جب ادھڑا کسی طرح نہیں مانا تو ماں نے اُس کے ساتھ کچھ ضروری سامان رکھ دیا اور چلتے وقت بولی:- ”بیٹا ایک بات یاد رکھنا۔ جو کوئی تم سے مدد مانگے اُس کی مدد ضرور کرنا اور سب سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ جاؤ بھگوان تمھاری رکھشا کرے“ ماں کی بات سن کر ادھڑا گھر سے چل دیا۔

اپنے شہر سے نکل کر ادھڑا ایک جنگل میں آ پہنچا۔ وہاں ایک درخت کی چھاؤں میں بیٹھ کر ستانے لگا۔ اتنے میں اُسے کہیں سے ایک ننھی سی آواز سنائی دی:- ”میری مدد کرو، ادھڑا نے اپنی چھوٹی سی آنکھ گھما گھما کر چاروں طرف دیکھا اور کان لگا کر سنا۔ یہ آواز پاس پہنچے ہوئے ایک جھرنے میں سے آ رہی تھی۔ بھرنا ادھڑے سے التجا کرنے لگا:- ”جناب گھاس اور پتیوں نے اٹک کر میرا رستہ روک دیا ہے۔ میں آگے بھ نہیں سکتا۔ رحم کر کے میرا رستہ صاف کر دیجئے۔“

ادھڑا اکڑ کر بولا:- ”ہوں“ میں کوئی بھنگی جمعہ دار ہوں۔ جو تمھارا کوڑا کرکٹ لگانوں۔ سڑتے رہو وہیں پڑے۔ مجھے



جھڑنا دھڑت سے التبا کرنے لگا۔ ”جناب! گھاس اور پتیوں نے تمک کر میرا راستہ

ر دک دیا ہے۔ میں آگے بہہ نہیں سکتا۔ رتہ کر کے میرا راستہ صاف کر دیجئے۔“

بہت دُور جانا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اکڑ کر چل دیا۔

آگے چل کر رستے میں راکھ کا ڈھیر ملا۔ ادھڑے کو ایک ننھی

سی آواز سُنا دی۔ ”میری مدد کرو“ ادھڑے نے اپنی چھوٹی سی

آنکھ گھما گھما کر چاروں طرف دیکھا اور کان لگا کر سُنا۔ یہ آواز

راکھ کے ڈھیر میں سے آرہی تھی۔ راکھ کے ڈھیر میں دبی ہوئی

آگ ادھڑے سے التبا کرنے لگی ہوئی۔ ”جناب میرے اوپر

تھوڑی سی گھاس پھوس ڈال دیجئے۔ میں بجھی جا رہی ہوں میری

مدد کیجئے۔“

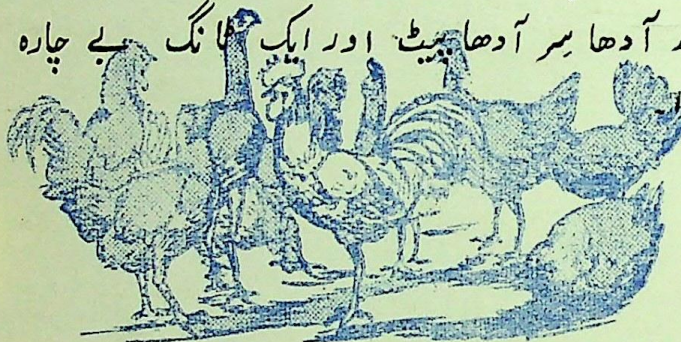
یہ سن کر ادھڑا اکڑ کر بولا۔ ”میں کوئی بھاڑ جھونکنے والا ہوں

جو تمہارے اوپر گھاس پھوس ڈالوں۔ پڑی بجھتی رہو۔ مجھے بہت

دور جانا ہے۔“ یہ کہہ کر مرنے کی طرح اکڑ کر وہ آگے بڑھ گیا۔
 چلتے چلتے کچھ جھاڑیاں ملیں ادھڑے کو پھر ایک ننھی
 سی آواز آئی۔ ”میری مدد کرو۔“ اُس نے اپنی چھوٹی سی آنکھ گھما
 گھما کر چاروں طرف دیکھا۔ اور کان لگا کر سُنا۔ جھاڑیوں میں سے
 ہوا ادھڑے سے گڑ گڑا کر التجا کرنے لگی بولی:- جناب مہربانی کر
 کے مجھے ان جھاڑیوں میں سے نکال دیجئے۔ میں یہاں پھنسی ہوئی
 ہوں۔ یہاں سے چھٹکارا پاؤں تو آسمان کی سیر کروں۔“
 ادھڑے نے اکڑ کر کہا:- میں کوئی دھونکنی ہوں۔ جو
 تمہیں پھونک مار کر وہاں سے چھڑا دوں۔ وہیں بندھی پڑی رہو
 مجھے بہت دور جانا ہے۔“ یہ کہہ کر ادھڑا مرنے کی طرح اکڑتا ہوا
 پھر آگے بڑھا۔

جنگل پار کر کے ادھڑا ایک شہر میں آ پہنچا۔ شہر میں وہ
 جہاں بھی جاتا اُسے سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے۔ ایک دوڑے سے
 ادھڑے کو دیکھ کر کہتا۔ ”ارے دیکھ! کیا عجیب جانور ہے! ہم
 نے تو آج تک کبھی ایسا دیکھا نہیں۔ نہ جانے کون سے ملک
 سے آیا ہے۔“ اور جب ادھڑا اکڑ کر آگے بڑھ جاتا تو لوگ
 خوب ہنستے نیچے تالیاں پیٹتے۔ وہ کسی کی پروا نہ کرتا ہوا سارے شہر
 میں چکر لگا آیا۔ وہاں اُسے کہیں ٹھہرنے کی جگہ نہ ملی۔ تنہا
 کہ وہ ایک درخت کے نیچے سو گیا۔ جاڑے کا موسم تھا اور

اُس کے پاس اور بھنے کے لئے کوئی کپڑا بھی نہیں تھا۔ رات کو اُسے خواب میں جھاڑیوں میں پھنسی ہوئی ہوا دکھائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی :- ”اُس دن تم نے میری مدد نہیں کی۔ اب میری طاقت دیکھنا۔“ رات بھر ٹھنڈی ہوا چلتی رہی۔ اور ادھڑا وہیں پڑا ہوا ہوا کے تھپیڑے کھاتا رہا۔ وہ جاڑے کے مارے مرغا بنا پڑا رہا۔ سورج نکلنے پر جاگا۔ تو اُس نے اپنے آپ کو سچ مچ کا مرغا بنا ہوا پایا۔ ادھڑا مرغا ہو کر بھی آدھا ہی رہا۔ وہی ایک آنکھ آدھا سر آدھا پیٹ اور ایک بانگ بے چارہ بہت دکھی ہوا۔



پھدکتا
پھدکتا وہ شہر
کی طرف دانے
کی تلاش میں
نیکلا۔ چلتا چلتا
راجہ کے مرغی

بے وقت کی بانگ سُن کر سب مرغے مرغیاں اس کی طرف دیکھنے لگے اور بے وقت سے ہو گئے۔ ادھڑے نے سب کو اپنے چاروں طرف دیکھا تو شان کے مارے اکر گئے۔

خانے میں جا پہنچا۔ اور لگا زور سے بانگ دینے۔ بے وقت کی بانگ سُن کر سب مرغے مرغیاں اُس کی طرف دیکھنے لگے اور گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ ادھڑے نے سب کو اپنے چاروں طرف دیکھا تو شان کے مارے اکر گیا۔ اور کڑک کڑک

کر دان چکنے لگا۔ اتنے میں راجہ کا بادرجی مُرنی بیٹھ آیا۔ اُس کی نگاہ ادھر سے پر پڑی جس اُس نے اُسے ٹانگ سے پکڑ کر اٹھالیا اور بادرجی خانے میں لے جا کر پانی کے برتن میں ڈال دیا۔ برتن آگ پر رکھ دیا۔ ادھر پانی سے گر گر کر کہنے لگا:-
 ہر بانی کر کے مجھے باہر نکال دو۔ نہیں تو میں مر جاؤں گا۔ پانی ہنس کر بولا:- ”کیا تم گھاس اور پتیوں سے اٹکے ہوئے پانی کے بھرنے کو بھول گئے ہو؟ میں وہی تو ہوں۔ تم نے جیسی میری مدد کی تھی ویسی ہی میں تمہاری مدد کروں گا۔“ ادھر اپنا سامنہ سے گم رہ گیا۔

آہستہ آہستہ پانی گرم ہونے لگا اور ادھر جھلنے لگا۔ تب وہ آگ سے گر گر کر بولا:- ”مجھ پر رحم کرو۔ تم اپنی لپٹیں نیچی رکھو۔ نہیں تو پانی گرم ہو کر مجھے مار ڈالے گا۔“
 آگ بہت زور سے ہنسی بولی:- ”کیا تم راکھ کے ڈھیر میں دبی ہوئی آگ کو بھول گئے۔ جب اُس نے گر گر کر اکر تم سے مدد مانگی تھی۔ تم نے کچھ مدد کی تھی؟ میں وہی آگ ہوں۔ اب تم یہیں جل مرو۔“ یہ کہہ کر آگ تیزی سے جلنے لگی۔

اب تو ادھر سے کی جان پرہیز آئی۔ اُس نے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ برتن کا ڈھکنا ہٹا لیا پھدک کر باہر آیا اور کھڑکی میں جا بیٹھا۔ اتنے میں بہت زور کی ہوا چلی اور گیلے ادھر سے

کو اُوپر اڑا کر لے گئی۔ ادھڑا نیچے آنے کی کوشش کرتا تھا مگر
 ہوا اُسے اُوپر اٹھاتی ہوئی آسمان میں بہت اونچائی پر لے گئی۔ ادھ
 وہاں سے اُسے یکا یک نیچے ٹپک دیا۔ ادھڑا ایک اونچے برج پر
 لگی ہوئی لوہے کی کیل پر آکر اٹک گیا۔ وہاں سے وہ لاکھ کوشش
 کرنے پر بھی اپنے کو نہ چھڑا سکا۔ وہ ابھی تک وہیں اٹکا ہوا ہے
 ہوا اُسے خوب بچایا کرتی ہے۔
 لوگ کہتے ہیں کہ وہ ہوا کا رُخ بتانے والا آلہ ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ وہ ہوا کی
 سمت دکھانے والا آلہ ہے۔



دلیر چھی

کسی گاؤں میں ایک لڑکی رہتی تھی۔ جس کا نام ننھا لچھی۔ ایک دن وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ کنوئیں پر پانی بھرنے گئی۔ وہاں سب لڑکیاں اپنے سگائی بیاہ کی باتیں کر رہی تھیں۔ ایک سہیلی جس کا نام بنتو تھا بولی: ”میرے باپ نے میرے بیاہ کیلئے قیمتی کپڑے خرید رکھے ہیں“

دوسری نے کہا: ”میرے سسرال میں فمحل کی سندری (دُلہن کے بیاہ کے کپڑے) تیار ہو رہی ہے۔“ یوں سب لڑکیاں باتیں کر رہی تھیں۔ کوئی اپنے بھائی کی بات کہتی تھی اور کوئی اپنے ماموں کی۔

لچھی بے چاری سہیلیوں کی باتیں چُپ چاپ سن رہی تھی اُس کے پاس کہنے کو کوئی بات نہیں تھی۔ بہت دن ہوئے اُس کے ماں باپ مر چکے تھے اور وہ اُس کے لئے کوئی دھن دولت بھی نہیں بچھوڑ گئے تھے۔ کوئی بھائی بند بھی نہیں تھا۔ جس کا

سہارا لیتی - بے چاری اکیلی تھی اور غریبی میں دن کاٹ رہی تھی - اُس کے بیاہ کا انتظام کون کرتا؟ لیکن جی چاہتا کہ وہ بھی سہیلیوں کی بات چیت میں حصہ لے - اس لئے اُس نے یونہی ایک بات بنائی اور کہا: ”میرا چچا بھی پردیس سے آ رہا ہے - وہ میرے لئے بہت سے زیور گئے اور قیمتی کپڑے لائے گا۔“

ایک بساطی جوگاڈوں میں اپنا سامان بیچنے آیا تھا - کہیں پاس ہی بیٹھا تھا - لڑکیوں کی یہ باتیں سن رہا تھا - وہ بساطی ایک چالاک ٹھگ تھا - اور سامان بیچنے کے بہانے لوگوں کے بھید معلوم کیا کرتا تھا - جب اُس کا داؤ لگتا تھا لوگوں کو لوٹ لیتا تھا -

لچھو کی بات سن کر وہ دل ہی دل میں خوش ہوا اور دوسرے دن بھیس بدل کر اُس کے گھر چلا گیا - وہ اپنے ساتھ قیمتی کپڑے اور زیور بھی لایا تھا - اُس نے لچھو سے کہا: ”میں تمہارا بیچا ہوں - کئی سال پردیس میں رہ کر بہت سی دولت کما کر واپس آیا ہوں - میں تمہارا بیاہ اپنے ایک دولت مند دوست کے بیٹے سے کرنا چاہتا ہوں“ لچھو بھولی بھالی سادہ دل لڑکی تھی - اُس نے ٹھگ کی باتوں کا سادگی سے یقین کر لیا - اُس نے گھر کا سارا سامان باندھا اور ٹھگ کے

ساتھ چل پڑی۔ جب وہ دونوں ٹھگ کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔
 تو ایک چڑیا نے چوٹ چوٹ کرتے ہوئے کہا۔
 'واہ فی لچھو'، مقلوں گھتھی
 ٹھگ نال ٹھگی گئی،
 دواہ ری لچھو تیری قتل کہاں کھو گئی جو تو ایک ٹھگ سے
 ٹھگی گئی)

لچھو پرندوں کی زبان سمجھتی تھی۔ اُس نے اپنے چچا سے پوچھا
 "یہ چڑیا کیا کہہ رہی ہے؟"

ٹھگ نے جواب دیا۔ "چوٹ چوٹ کرنا اور شور مچانا ان چڑیوں
 کی عادت ہے۔" ہمیں اس سے کیا مطلب؟ "تھوڑی دُور آگے بڑھے
 تو ایک مور پلا اُس نے وہی بات کہی۔

پھر ایک گیدڑ ملا۔ اُس نے بھی یہی بات کہی۔ لچھو کے پوچھنے
 پر ٹھگ ہر بار کہہ دیتا تھا کہ شہد مچانا ان جانوروں اور
 پرندوں کی عادت ہے۔ ہمیں اس سے کیا مطلب؟

وہ ٹھگ لچھو کو ساتھ لے کر اپنے گھر پہنچا اور گھر پہنچتے ہی
 اُس نے سارا بھید اپنے آپ کھول دیا۔ اور لچھو سے کہا:
 "میں تمہارا چچا یا کوئی دوسرا بھائی بند نہیں ہوں۔ میں تو تمہارا
 خوبصورتی کا دیوانہ ہوں اور تمہارے ساتھ بیاہ کرنے کے لئے
 تمہیں یہاں لایا ہوں۔"

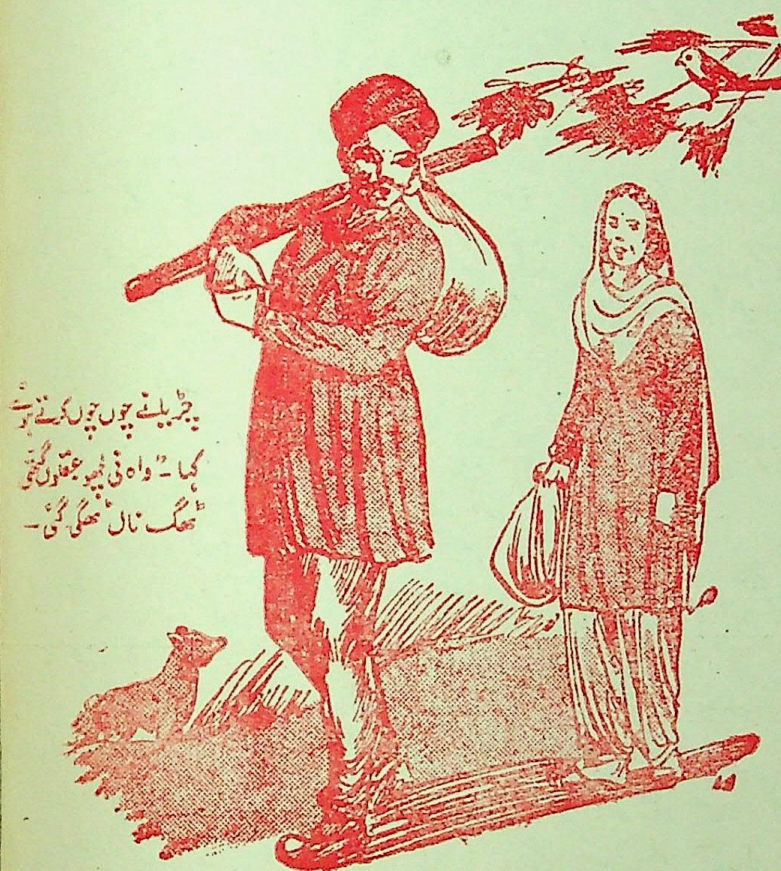
لچھو سُن کر بُہت روئی۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ اُس کے لئے اب وہاں سے بھاگ جانا بھی ممکن نہیں تھا۔ اُسے رستے کے جانوروں اور پرندوں کی باتیں یاد آئیں۔ اور افسوس ہوا کہ اُس نے اُن پر دھیان کیوں نہ دیا۔ وہ واقعی ٹھگ سے ٹھگی گئی تھی۔

ٹھگ جب چوری اور ٹھگی کے لئے باہر جاتا تو لچھو کو اپنی ماں کے سپرد کر جاتا تاکہ وہ اُس پر کڑی نگرانی رکھے اور اُسے کہیں باہر نہ جانے دے۔ ٹھگ کی ماں بُہت بوڑھی تھی۔ اُس کے چہرے پر بھڑیاں تھیں۔ گالوں کی کھال لٹک گئی تھی اور سر گنجا تھا۔

لچھو کے بال بُہت لمبے تھے۔ کالے اور خوش نما! ناگن کی طرح لہراتے ہوئے۔ بڑھیا کو لچھو کے یہ بال بُہت پسند تھے۔ ایک دن جب اُس کا بیٹا ٹھگ گھر سے باہر گیا ہوا تھا تو اُس نے لچھو سے پوچھا: ”تمہیں یہ خوش نما بال کہاں سے ملے ہیں؟“ لچھو نے فوراً بات بنائی بولی: ”یہ سب میری ماں کی مہربانی ہے۔ اُس نے ایک دن میرا سر اوکھلی میں رکھ کر اوپر سے موسل مارے۔ جیسے جیسے موسل پڑتے تھے میرے بال لمبے ہوتے جاتے تھے۔ ہمارے گاؤں میں یہ بال بڑھانے کا پُرانا رواج ہے۔“

بڑھیا بولی :- میرا سر تو گنجا ہے۔ اوکھلی میں سر دے کر

اوپر سے موسل مارنے سے کیا میرے بال بھی لمبے ہو جائیں گے ؟
 لچھو نے فوراً جواب دیا : ” کیوں نہیں ؟ ضرور ہو جائیں گے “



بڑھیا بال اگانے کی خوشی میں اوکھلی میں سر دینے کے لئے
 تیار ہو گئی۔ دوسرے دن جب ٹھگ کام سے باہر گیا تو بڑھیا
 نے لچھو سے اپنے بال بڑھانے کو کہا۔ لچھو نے اوکھلی میں

اُس کا سر رکھ کر اُوپر سے دھڑا دھڑا موسل مارنا شروع کیا۔
موسل کی چوٹوں کے نیچے بڑھیا تڑپنے لگی اور پانچ سات چوٹوں ہی
سے وہ مر گئی۔ لُچھو نے بڑھیا کو بیاہ کی پوٹشاک پہنائی۔ اور
اُس کا گھونگھٹ نکال کر دیوار کے سہارے ایک کونے میں بٹھا
دیا۔ اس کے بعد لُچھو نے گھر کا کچھ دھن اور سامان سیٹا اور وہاں
سے بھاگ کھڑی ہوئی۔

رستے میں اُسے ٹھگ ملا۔ وہ کہیں سے چکی کے دو پاٹ پڑا کر
واپس آ رہا تھا۔ لُچھو اُسے دیکھتے ہی ایک جھاڑی میں چھپ گئی
ٹھگ نے لُچھو کو دیکھ تو لیا۔ مگر پہچان نہ سکا۔ وہ سمجھا کہ کوئی
عورت کسی کام سے گھر آئی ہے اور اس خیال سے کہ
کہیں وہ چوری کا مال دیکھ کر شور نہ مچا دے۔ وہ خود چھپتا
ہوا اپنی راہ چلتا رہا۔ جب وہ بہت دُور چلا گیا تو لُچھو
جھاڑی کی اوٹ سے باہر نکلی اور اپنے گاؤں کو چل دی۔
ٹھگ جب گھر پہنچا تو اُس نے لُچھو کو آواز دی۔ اُسے کوئی
جواب نہیں ملا۔ جب بار بار پکارنے پر لُچھو نہ بولی تو اُسے غصہ
آ گیا اور اُس نے چکی کے پاٹ بڑھیا کے سر پر دے مارے
وہ نئی پوٹشاک میں بڑھیا کو لُچھو سمجھ رہا تھا۔ لیکن جب اُسے
معلوم ہوا کہ وہ لُچھو نہیں اُس کی ماں ہے تو وہ بسک بسک
کر رونے لگا۔ اُس نے سمجھا کہ اُس کی ماں چکی کے پاٹوں

ہی سے مری ہے۔ ٹھگ نے دل میں فیصلہ کیا کہ وہ لچھو کو واپس لا کر ہی دم لے گا۔

لچھو گاؤں واپس آئی تو ٹھگ کے ڈر سے اپنی ایک سہیلی کے گھر رہنے لگی۔ جب ایک مہینہ اسی طرح گزر گیا تو اُس نے سوچا کہ ٹھگ اب نہیں آئے گا۔ اس لئے وہ اپنے گھر رہنے لگی۔ جب رات کو سوتی تو اپنی حفاظت کے لئے ایک تیز خنجر اپنے سر ہانے رکھ لیتی۔

ایک رات جب وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ تو ٹھگ آیا اُس کے ساتھ تین ٹھگ اور بھی تھے۔ اُنھوں نے سوئی ہوئی لچھو کو چادر پائی کے ساتھ باندھ دیا اور اٹھا کر چلتے بنے۔ لچھو کی آنکھ کھل گئی تھی لیکن وہ چپ چاپ لیٹی رہی۔ جب وہ جنگل میں پہنچے تو لچھو نے آہستہ سے خنجر نکالا اور پچھلے دو آدمیوں کے سر کاٹ ڈالے اور پھر تیسرے آدمی کا بھی صفایا کر دیا۔ لیکن ٹھگ جان بچا کر درخت پر چڑھ گیا۔ لچھو نے درخت کو آگ لگا دی۔ ٹھگ اُس کے ساتھ ہی جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔

اس طرح لچھو نے اپنی بہادری اور دلیری سے ٹھگ پر فتح پائی۔ وہ اُس کے گھر گئی اور اس کا سارا دھن اور سامان چھکڑے پر لا کر اپنے گھر لے آئی

اُس پاس کے دیہات میں اُس کی بہادری کا چرچا ہونے لگا۔ بہت سے نوجوان اُس کے ساتھ بیاہ کرنے کو تیار ہو گئے۔ لچھو نے اپنی پسند کے ایک لڑکے سے بیاہ کر لیا اور وہ مکھ اور مزے سے رہنے لگی۔



ٹی، این، ایس سیتا رامن

تامل ناڈ کی لوک کہانی

گرم جامن

بہت دنوں کی بات ہے۔ تامل ناڈ میں ایک بڑھیا رہتی تھی۔ اُس کا نام اویار تھا۔ وہ بہت دل کش شعر لکھتی تھی اُس کی شاعری کے قدردان ہو کر بڑے بڑے راجے اُس کی عزت کرتے تھے۔ راج دربار میں بھی اُس کی مثال کا کوئی دوسرا شاعر نہ تھا۔ اس وجہ سے اُسے بہت گھنڈ ہو گیا ایک دن وہ کہیں جا رہی تھیں۔ سڑک کے کنارے جامن کے درخت تھے۔ کالے کالے جامن درختوں کی ٹہنیوں سے لٹک رہے تھے۔ جامنوں کو دیکھ کر اویار کے منہ میں پانی بھر آیا۔ لیکن درخت اُونچے تھے۔ پہچاری بڑھیا کیا کر سکتی تھی؟ بڑھیا نے ایک درخت کے نیچے آکر اُوپر دیکھا۔ درخت کے اُوپر ایک چرواہے کا لڑکا ٹہنی پر بیٹھا جامن کھا رہا تھا۔ لڑکے کو دیکھ کر بڑھیا نے اُس سے کہا:۔ بیٹا میں بھوکے ہوں مجھے بھی کچھ

جامن کھسٹاؤ۔“

یہ سن کر لڑکے نے بڑھیا سے پوچھا: ”نانی تمہیں
گرم گرم جامن چاہئیں یا ٹھنڈے ٹھنڈے؟“

یہ سن کر

بڑھیا پس پستی

میں پڑ گئی اور

اُس نے لڑکے

سے پوچھا:-

”بیٹا تم پاگل

تو نہیں ہو؟

کہیں جامن بھی

گرم یا ٹھنڈے

ہو سکتے ہیں؟

نہیں نہیں یہ

صرف تمھاری

بھولی ہی ہے۔“

لڑکے نے

پھر کہا:- اچی

اوتار جی! آپ



یہ سن کر لڑکے نے بڑھیا سے پوچھا:- ”نانی تمہیں

گرم گرم جامن چاہئیں یا ٹھنڈے ٹھنڈے؟“

تو دانا ہیں۔ آپ کا نام سُنتے ہی تامل ناڈ کے بڑے بڑے
عالم لوگ ڈرتے ہیں۔ پھر یہ چھوٹی سی بات بھی آپ
نہیں سمجھتیں تو یہ آپ کی خامی ہے۔ میں پاگل تھوڑے
ہی ہوں۔ اچھا اب آپ کہئے کہ آپ گرم گرم جامن
کھا بیٹھ گی یا ٹھنڈے ٹھنڈے؟

لڑکے کی باتیں سن کر اڈیاد بالکل اچنبھے میں
آگئی اُس کی سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ جامن گرم کس طرح ہو
سکتے ہیں پھر بھی وہ اس راز کو سمجھنے کے لئے بے قرار تھی
اُس نے لڑکے سے کہا۔ ”بیٹا تم مجھے گرم گرم جامن ہی کھلاؤ“
لڑکا ہنس کر بولا ”اچھی بات ہے بوڑھی نانی۔ لو میں تمہیں
گرم گرم جامن کھلاتا ہوں“ یہ کہہ کر لڑکے نے ایک ٹہنی
کو زور سے ہلایا۔ خوب پکے ہوئے کالے کالے جامن زمین
پر دھول میں بچھ گئے۔ بڑھیا اُنھیں اٹھا اٹھا کر دھول
پھونک کر کھانے لگی۔ یہ دیکھ کر لڑکے نے پوچھا
:- ”کیوں نانی جامن تو خوب گرم ہیں نا؟“

اڈیاد نے جواب دیا:- ”بیٹا کہاں؟ یہ تو ٹھنڈے ہیں“
لڑکے نے پھر پوچھا:- ”اچھا نانی آپ تو کہتی ہیں یہ گرم
نہیں ہیں پھر آپ انھیں پھونک کر کیوں کھا رہی ہیں؟“
یہ کہہ کر لڑکا ہنس دیا۔

اُویار تانی کہ اب اپنی بھولی معلوم ہوئی اور وہ بہت شرمندہ ہو گئی۔ ایک پروا ہے کہ لڑکے کے آگے وہ بار گئی تھی۔ آخر چپ چاپ چل دی۔ لڑکا خوب ہنستا رہا۔

اُویار نے اپنی اس بار کے بارے میں کہا:-

دکرونگائی گٹیک نانٹرا کڑڈائی

اِرونگائی تنڈک نانٹرم۔ پرونگائی کالے دوسے۔ میٹکم

کائیکیاں تواردو ایرکم تینا دین کنڑ۔

یعنی کرونگائی نام کا ایک درخت کا ہے۔ وہ بہت مضبوط

ہوتا ہے۔ اور بہت مشکل سے کاٹا جاتا ہے۔ پھر بھی اس کے

کاٹنے سے کھاڑی کا نقصان نہیں ہوتا۔ لیکن اگر اُسی کھاڑی

سے کیلے کے درخت کو کاٹنے لگیں تو کھاڑی بگڑ جاتی ہے

بعد میں وہ درخت کاٹنے کے قابل نہیں رہتی۔ ٹھیک ایسے

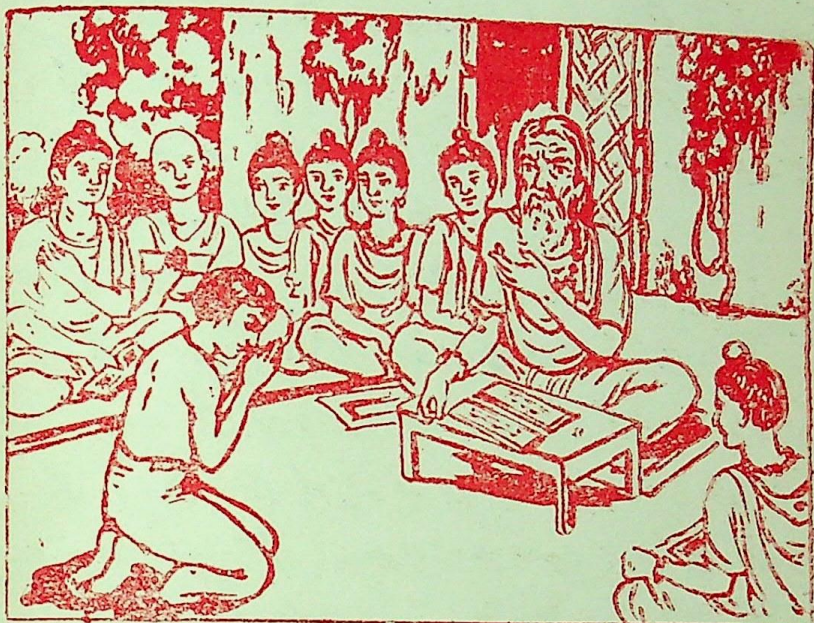
ہی بڑے بڑے عالموں کو بحث مباحثے میں شکست دینے پر

بھی مجھے اس پروا ہے کہ لڑکے سے بار ماننی پڑی۔ اس

وجہ سے میری آنکھوں کی پلکیں دو دن تک نہیں لگیں گی یعنی

مجھے نیند نہیں آئے گی۔





”یوہا کے قابل گورو دیو! میں آپ کے گوروں میں تعلیم پانے کے لئے آیا ہوں۔“

ایک ایرانی لوک کہانی

رام پرتاپ ترپا بھی شاستری

ستویہ کام

گوتم رشی کے آشرم میں ودیارتھیوں کی گنتی زیادہ تھی۔
اس کا سبب یہ تھا کہ اُن کے بیڑھانے لکھانے کا ڈھنگ
چھنا دل کش تھا اتنی ہی اعلیٰ دنیاوی زندگی کی بھی وہ تعلیم

دیتے تھے۔ سارے ملک میں گوتم کے ودیارتھیوں کی دھاگ بندھی ہوئی تھی اور جب پڑھائی کا نیا سال شروع ہوتا تو ملک کے کونے کونے سے داخل ہونے والے ودیارتھیوں کی بھیڑ اکٹھی ہو جاتی۔

ایک دفعہ جب داخل ہونے والے ودیارتھیوں کی بھیڑ ختم ہو گئی۔ اور پڑھائی کا سلسلہ چلنے لگا تو دس برس کے ایک خوبصورت اور تندرست بچے نے آکر گوتم کے پاؤں کو چھوا۔ اُس کے ہاتھ میں نہ ہون کی لکڑیاں تھیں اور نہ کر میں مونج کا کر بند۔ برگ پھالا اور جنیو بھی اُس نے نہیں پہنا ہوا تھا۔ ودیارتھیوں میں گھرے ہوئے گوتم کے پاؤں کو جس حوصلے سے اُس نے چھوا اُسی حوصلے کے ساتھ اُس نے عاجزی سے عرض بھی کیا۔ اُس نے کہا۔

”گوردیو! میں آپ کے گوردکل میں تسلیم پانے کے لئے آیا ہوں۔ میں آپ کے حکم کے مطابق چلوں گا اور گوردکل کے قانون پر باقاعدہ عمل کروں گا۔ میں آپ کی سیوا میں ہوں قبول کریں گوردیو“

سیدھے سادے اور بھولی طبیعت والے بچے کے ان معصوم لفظوں سے گوتم کا دل گھل گیا اور اُس آشرم کے ودیارتھیوں میں کاٹا پھوسا شروع ہو گئی۔

گوتم نے پیار بھری آواز میں پوچھا۔ "بیٹا! تیرا نام کیا ہے؟ تیرا گوتر کیا ہے؟ اور کیا تیرے پتا جی نہیں ہیں جو تو یہاں اکیلا ہی آیا؟"

ودیار تھیوں کی جماعت تصویر بنی ہوئی اُس بچے کی طرف دیکھنے لگی۔ بچے نے ہاتھ جوڑ کر عاجزی کے لہجے میں کہا۔

"گوردیو! ابھی میرا نام کرن سنسکار بھی نہیں ہوا اور نہ مجھے اپنے گوتر اور پتا جی کے بارے ہی میں کچھ معلوم ہے۔ اپنی مانا جی سے پوچھ کر میں آپ کو یہ سب کچھ بتا سکتا ہوں۔ لیکن بھگون! میں آپ کی سیوا میں ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ میں گوردکل کے سب قانونوں کا پابند رہوں گا۔ آپ مجھے ٹاؤسید نہ کریں گوردیو!"

بچے کے اس جواب سے شاگردوں کی جماعت دنگ رہ گئی۔ ایک نے اپنے ساتھی کے کان میں کہا۔ "بھائی یہ عجیب طالب علم ہے! دیکھنا اسے اپنا نام اور گوتر بھی معلوم نہیں اسی پر بس نہیں اپنے پتا کو بھی یہ نہیں جانتا! لیکن بھئی ہے بہت ڈھیٹ اور سیدھا۔ اسے دیکھ کر نہ جانے کیوں مجھے دل سے بہت پیار آ رہا ہے۔"

ساتھی نے کہا۔ "چلو دوست چھوڑو! یہ کسی شودر کا بیٹا ہے۔ اپنے آپ کو چھپانے کے لئے ایسی باتیں بنا رہا ہے۔"

ایک اور طالب علم نے آہستہ سے کہا :- "بھائی ! معلوم ہوتا ہے گورو دیو پر اس کا بہت اثر ہوا ہے ۔ چلو ٹھیک ہے ۔ بے چارہ پڑھ لکھ لے گا ۔ آدمی بن جائے گا !"

ایک کانے طالب علم نے اپنے ساتھی اپنے تانے کو جھنجھوڑتے ہوئے آہستہ سے کہا :- "یار ! گورو دیو یہ کیا کہہ رہے ہیں ۔ کیا اب ایسے دو شخص طالب علم بھی گورو کل میں لئے جایش گئے ؟ اندھیر ہو جائے گا !"

انپا تانا طنز سے بولا :- "بھائی ! کیا ٹھکانا ہے ۔ دیکھو دس برس کا ہو گیا ابھی تک اس کا جینو بھی نہیں ہوا۔"

نئے بچے نے ودیار تھیوں کی یہ کانا چھو سی سنی ۔ لیکن وہ برابر گوتم کے منہ کی طرف ہی دیکھتا رہا ۔ تھوڑی دیر کے بعد گوتم نے پیالہ سے کہا :- "بیٹا ! تم جا کر اپنی ماما سے اپنے گوتر اور پتا کا نام پوچھ آؤ ۔ میں تمہیں ضرور اپنے آشرم میں داخل کر لوں گا۔"

بچہ گوتم کے پاؤں پر گر پڑا اور شکریہ گزاری ہے بھرائی ہوئی آواز میں بولا :- "گورو دیو ! میں ایسا ہی کر دوں گا۔"

بچہ چپ چاپ اپنے گھر کی جانب واپس چلا گیا ۔ پانچ چھ دن بعد شام کو جب گوتم شاگردوں کے ساتھ پوجا پاٹ سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے تو وہ بچہ آیا ۔ آتے

ہی اُس نے گورو دیو کے پاؤں کو چھو کر ودیاد تھیوں کی تمام جماعت کو نمسکار کیا۔ گوتم نے پوچھا: "بیٹا! کیا اپنی ماما سے سب کچھ پوچھ کر آگئے؟"

بچے نے عاجزی سے جواب دیا: "ہاں مہاراج! میں پوچھ کر آگیا ہوں۔ میری ماما نے کہا ہے کہ وہ میرا گوتہ نہیں بتا سکتی اور نہ میرے پتا کا نام ہی اُسے معلوم ہے۔ اپنی بھرائی میں وہ سادھو سنتوں کی سیوا میں رہتی تھی۔ اُن ہی دنوں میرا جنم ہوا تھا۔ ہاں میری ماما کا نام ہے جبلا۔ اگر اُس کے نام سے میرا کام بنتا ہو تو مجھے اپنے قدموں میں جگہ دیجئے گورو دیو۔" بچہ یہ کہہ کر پھر گوتم کے پاؤں پر گر کر بسکیاں بھرنے لگا۔

ودیاد تھیوں کا گروہ ہٹا بگاڑ گیا۔ گوتم کے آشرم میں اس طرح کا یہ پہلا واقعہ تھا کہ ایک طالب علم کے باپ اور ذات کا بھی پتہ نہیں مل سکا۔

گوتم اٹھ اور اُنھوں نے اُس خوبصورت اور بے خوف بچے کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور غمش سے بھرائی ہوئی آواز میں بولے: "بچے تمھاری سچائی اور سادہ پن نے مجھے باندھ لیا ہے۔ تم میرے آشرم میں بند ہو کر رہو۔ میں تمھیں تمام شاستروں کی باقاعدہ تعلیم دوں گا۔ نہیں تمھاری صداقت پسندی کے سبب تمھارا نام سیتہ کام رکھتا ہوں اور تمھاری ماما کے نام پر

تمھارا نام 'جبالا' بھی ہوگا۔ میں تمھارے برہمن ہونے کا اعلان کرتا ہوں کیونکہ سچے برہمن کے سوائے جال چلن میں ایسی پاکیزگی اور کہیں نہیں ملتی۔“

بچے نے اپنی مراد پالی۔ شکر یہ کے آنسوؤں سے اُس کا دکھتا ہوا چہرہ بھی بھیک گیا۔ اُدھر ودیار تھیوں کی جماعت چپ چاپ گوتم کے اس عجیب اعلان پر غور کرتی رہی۔ گوتم نے اپنے ہی سامان سے ستیہ کام کا اُپ نین سنسکار (جنیو پہنانے کا سنسکار) کیا اور پانچ کھ پتیوں (گورو کھ) کے چانسروں کی موجودگی میں اُسے برہمچاری کی پوشاک دی۔ چودھویا کے چاند کی مانند ستیہ کام کی عقیدت، قابلیت، شخصیت کی ہر طرح ترقی ہونے لگی۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ گورو کھ کا ہر دل عزیز طالب علم بن گیا۔ لیکن ابھی تک گورو نے اُس کی تعلیم کا آغاز بھی نہیں کیا تھا۔ ستیہ کام کو اِس کی فکر بھی نہیں تھی۔

ایک دن گورو نے ستیہ کام کو بلا کر سب طالب علموں کی موجودگی میں کہا: بیٹا میں تمھیں ایک مشکل کام پر آزم سے باہر بھیجنا چاہتا ہوں۔ یہ سامنے چار سو بوڑھی مرلی گائیں کھڑی ہیں۔ تم انھیں لے کر دوہ جنگل میں لے جاؤ اور جب یہ چار ہزار ہو جائیں تو انھیں واپس لے آنا۔“

ستیا کام نہال ہو گیا۔ خوشی سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا
:- گوردیو کے حکم کو میں خوشی بجالاؤں گا۔ میں ایسا ہی
کروں گا بھگون!

جب ستیا کام اُن مرلی بڑھی گائیوں کو لے کر اکیلا ہی
گئے جنگل کی طرف چلا تو دیکھنے والوں کی آنکھوں میں آنسو چھپک
آئے۔ لیکن ستیا کام کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ وہ مسرت کے
سمندر کی لہروں پر اُچھلتا ہوا گائیوں کو ہانکتا ہوا اس طرح چلا
جا رہا تھا جیسے اپنی تعلیم ختم کر کے اپنی ماں کے پاس بسا
رہا ہو۔

ستیا کام نے اُن بڑھی مرلی گائیوں کی ایسی تندہی
سے خدمت کی، ایسی پرورش کی کہ وہ سب سکھ سے کھا
پی کر جوان بن گئیں۔ اور سات سال کے اندر اُن کی گنتی
چار ہزار تک پہنچ گئی۔ ایک دن صبح جب ستیا کام بوجا پاٹ
میں غوث تھا۔ گائیوں کے جھنڈ میں سے ایک بڑھے بیل کے منہ
سے اُسے انسانی بولی سنائی دی۔ گئے جنگل میں برسوں بعد انسان کی پیار
بھری آواز سن کر ستیا کام کی سعادہی ٹوٹ گئی۔ اُس نے
آنکھیں کھولی کہ جب دیکھا تو وہ بڑا بیل اُس کے سامنے
کھڑے ہو کر کہہ رہا تھا۔

”جیتے رہو! اب ہماری گنتی چار ہزار ہو گئی ہے۔ ہمیں گورد

کے آشرم میں واپس لے چلو۔ لیکن آشرم میں جانے سے پہلے
میں تمہیں کچھ نصیحت بھی کرنا چاہتا ہوں تم میری طرف دیکھو۔
بڑے بیل کی اندکھی اور پیار بھری انسانی بولی سے ستیہ
کام کے دل میں خوشی کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ وہ ماتھ
جوڑ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا:۔ ”میں اس کے لئے تیار ہوں
بھگوان“

بڑے بیل نے ستیہ کام کو سیوا برت (خدمت گزاری) کا
اُپدیش دے کر کہا:۔ ”اب تمہیں باری باری اگنی ہنس اور جل
گلٹ (مُربابی) اُپدیش دیں گے۔ اس کے بعد تمہارے گورو دیو
تمہیں دُنیاوی تعلیم عطا کریں گے۔“

ستیہ کام خوش ہو گیا۔ چار ہزار گائیوں کے ساتھ وہ
اگنی ہنس اور جل گلٹ کے روحانی اُپدیش حاصل کر کے جب
گوتم کے آشرم میں پہنچا تو وہاں خوشی کا سمندر اُمنڈ پڑا۔
سب ودیارتھیوں اور آچاریہ گوتم نے دیکھا کہ ستیہ کام کا
پُر نور جسم روحانی جلال کی پاک روشنی سے چمک رہا ہے
اُس کے دمکتے ہوئے چہرے پر سورج کا جلال اور چاند
کا نور ہے۔ انگ انگ سے جمال اور اطمینان کے پستے پھوٹ
رہے ہیں۔ تمام آشرم نے حیرت بھری آنکھوں سے ستیہ کام
کے جمال اور اطمینان کو دیکھتے ہوئے آندھ حاصل کیا۔ چار

۱۹۴

ہزار خوبصورت تندرست صحت مند اور دودھ دینے والی گائیوں والا
سے گوتم کا آشرم سودگ بن گیا۔

اس کے بعد ستیہ کام نے گورد کے قدموں میں بیٹھ کر
توہ دنیاوی علوم بہت تھوڑے ہی وقت میں حاصل کر لئے۔ جن کی
باتی برہمچاریوں کو اپنی لمبی زندگی بسر کرنے پر پڑتی تھی۔ اس کے
اگسار، ہمدردی اور خدمت گزاری اور عقیدت نے اُس کی دنیا
اور دُعا کی تعلیم کو اتنا چمکا دیا کہ گوتم کے آشرم میں وہ ایک
اوپنے درجے کا عالم بن کر مشہور ہو گیا اور اُس کے نام گئی
کو چاند چاند لگ گئے۔



آندھری لوک کہانی

گائیوں والا وشنو

بارہ سروں والا ناگ

ایک راجہ تھا اور اُس کی ایک رانی کچھ دن بعد رانی گزر
لیکن دو بچے چھوڑ گئی۔ ایک لڑکا ایک لڑکی۔
بعد میں راجہ نے دوسرا بیاہ کر لیا۔ لیکن نئی رانی پہلی
رانی کے دونوں بچوں کو بالکل نہیں چاہتی تھی۔ ہمیشہ اسی
سوچ میں رہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح ان دونوں کو مار دیا جائے
ایک دفعہ لڑکی کو پیاس لگی۔ جیسا کہ بچوں کی قدرتی عادت ہے۔
اس نے سوتیلی ماں سے کہا:- اماں پیاس لگ رہی ہے۔ چھاچھ
پلا دو۔ یہی موقع سمجھ کر سوتیلی ماں نے ایک چھوٹے سے سانپ
کے بچے کو چھاچھ میں ڈالا اور وہی چھاچھ لڑکی کو پلا دی۔
سوتیلی ماں سوچتی تھی کہ اس سے یہ لڑکی مر جائے گی۔ لیکن نتیجہ
اُلٹ نکلا۔ لڑکی مری نہیں۔ اُس کے پیٹ میں سانپ روز بروز
بڑھنے لگا۔ جس سے لڑکی کا پیٹ پھولنے لگا۔ سوتیلی ماں کو
فکر ہونے لگی کہ لڑکی مری کیوں نہیں؟ اور روز بروز اُس کا

پیٹ بڑھنے کیوں لگا؟ ایسی حالت میں اُسے ایک شرارت
 سُوجھی۔ لڑکی اور لڑکے دونوں پر بد چلتی کا الزام لگایا گیا۔
 یہی نہیں بلکہ سوتیلی ماں اڑوس بڑوس کے لوگوں میں یہ بات
 مشہور کرنے لگی۔ اس سے وہ دونوں بہن بھائی فکر میں پڑ گئے
 سوچتے سوچتے ایک دن شرم کے مارے وہ گھر سے نکل گئے
 اور ایک گھنے جنگل میں جا پہنچے۔ بے چارے چلتے چلتے بھت
 تھک گئے تھے۔ لڑکی کو پیاس لگی۔ اُس نے بھائی سے کہا: -
 بھائی! پیاس لگ رہی ہے۔ پانی پلاؤ۔“

اُس پاس کہیں پانی نہیں ملا۔ ملتا بھی کہاں؟ وہ جنگل جو
 ٹھہرا۔ لڑکے نے ایک درخت پر چڑھ کر چاروں طرف دیکھا کہ کہیں
 پانی ہے یا نہیں۔ اُسے پانی تو نظر نہیں آیا۔ لیکن دُور ایک بڑا
 شہر دکھائی دیا۔ بس اُس کی جان میں جان آ گئی۔ دونوں بھائی
 بہن وہاں پہنچ گئے۔

اُس شہر میں ایک بڑھیا۔ جس کا نام پیدا اسی پیدا تھا
 رہتی تھی۔ اُس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ لیکن زمین اولاد
 بہت تھی۔ مال مویشی بھی بہت تھے۔ ان کے ساتھ ہی
 ساتھ بڑھیا نے ایک بندریا اور ایک ہندر بھی پال رکھا
 تھا۔ بندر ہر روز مال مویشی چرا لاتا تھا۔ دودھ دودھ کر
 گھر میں رکھتا۔ کھیتی باڑی وغیرہ باہر کا سارا کام سنبھالتا

تھا۔ بندیا دودھ گرم کرتی، جھاتی، بلوتی، چھاچھ بیچتی۔ گھر کے اندر کا سارا کام سنبھالتی تھی۔ اس لئے وہ بڑھیا اس بندر بندیا کو ہی لڑکا لڑکی سمیٹتی تھی۔ یہ دونوں اُس بڑھیا کے سہارے تھے۔

اتفاق سے پیدراسی پیدا کے گھر وہ بھائی بہن پہنچ گئے۔ وہ جنگل میں پھرتے پھرتے بہت تھک گئے تھے۔ دیکھنے میں وہ کسی شاہی گھرانے کے نظر آتے تھے۔ اُس بڑھیا نے دودھ وغیرہ پلا کر انھیں پناہ دی۔ اُسی دن سے یہ دونوں بھائی بہن بھی اُس بڑھیا کا سہارا بن گئے۔ بڑھیا بھی انھیں اپنی لڑکی اور لڑکا ماننے لگی۔ کچھ دن اس طرح سکھ چین کے ساتھ گذر گئے۔

اُس بڑھیا کے گھر ہر روز سات گھنٹے دودھ ہوتا تھا اسے گرم کرنا، جمانا وغیرہ بھاری کام تھا۔ اُسے بندیا سنبھالتی تھی۔ ایک دن دودھ گرم ہو رہا تھا۔ اچانک بندیا اُس میں گر پڑی۔ وہ اُسی وقت مر گئی۔ اس سے بندر کو بھاری دکھ ہوا۔ بوڑھے کے بغیر اُس سے رہا نہیں گیا۔ اکیلا رہنا بے کار سمجھ کر اُسی گرم دودھ میں پڑ کر بندر بھی بندریا کے پاس پہنچ گیا۔ ان دونوں کی موت سے بڑھیا کو بہت دکھ ہوا۔ لڑکی اور لڑکے کے سہارے وہ زندہ رہ گئی نہیں تو وہ بھی باقی۔ دونوں کا شرادھ اور کریا گرم طریقے کے مطابق

کیا گیا۔ کچھ دن کے بعد پیدر اسی پیدا کی بھی موت ہو گئی۔
اُس کا بھی شرادھ اودھ کبیا گرم طریقے کے مطابق بھائی بہن
نے کر دیا۔

اب یہ بھائی بہن اُس بڑھیا کی جائداد کے مالک بن
گئے۔ بھائی ہر روز گائیں پراتا تھا۔ اودھ دودھ دودھ کر گھریں
رکھتا تھا۔ بہن دودھ گرم کرتی، بھائی بلوٹی بہن کو ایک عادت
سی پڑ گئی تھی کہ وہ دودھ گرم کرتے کرتے سو جاتی تھی۔
ٹھیک اُسی موقع پر اُس کے منہ سے وہ سانپ۔ جو اُس کے



بس پیٹنے کی دیر تھی کہ اس کے منہ سے بھاری سانپ نکل آیا
اور ساتوں برتنوں کا دودھ ایک پل میں پی گیا۔

پیٹ میں بڑھ
رہا تھا۔ نکلے
ان سات برتنوں
کا دودھ پی جاتا
اودھ پھر لڑکی
کے پیٹ میں چلا
جاتا۔ لڑکی خنجر
نہیں ہے اُٹھ کر

دیکھتی تو دودھ کی ایک بھی بوتل نہ ملتی۔ اُس کی حیرانی کا ٹھکانا
نہ رہتا۔ بھائی کو بھی یہ جان کر حیرانی ہوئی کہ اتنا دودھ کہاں
چلا جاتا ہے؟ آخر اسی بہن پر بھی شک ہوا کہ کہیں یہ بی بی تو

نہیں لیتی ہے۔ لیکن اس بات پر بھی اُسے پوری طرح یقین نہیں آیا۔ وہ سوچنے لگا بھلا اکیلی لڑکی سات برتنوں کا دودھ کس طرح پنی سکتی ہے؟ خیر کچھ بھی ہو۔ بھائی نے فیصلہ کر لیا کہ اس کا پتہ لگانا ہی چاہئے۔

دوسرے دن ٹھیک وقت پر صبح صبح ساری گائیوں کا دودھ نکالا گیا اور سات برتنوں میں بھر کر رکھ دیا گیا۔ اُس دن بھائی گائیں چرانے نہیں گیا۔ وہ دودھ کے غائب ہونے کا پتہ لگانا چاہتا تھا۔ اس لئے گھر کے ایک کونے میں چھپ کر بیٹھا رہا۔

آج بھی بہن نے سات برتنوں کا دودھ سات پوٹھوں پر پڑھایا اور خود بیٹ گئی۔ بس لیٹنے کی دیر تھی کہ اُس کے منہ سے بھاری سانپ نکل آیا اور ساتوں برتنوں کا دودھ ایک پل میں پنی گیا۔ بھائی چھپ کر یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ بونہی وہ سانپ پلٹ کر بہن کے منہ کی طرف بڑھنے لگا۔ اُس نے تلوار سے کاٹ کر اُس کے تین ٹکڑے کر دیئے اُن ٹکڑوں کو اُس نے شہر کے جنوب کی جانب دوڑے جا کر پھینک دیا پیچھے سے جب بہن انگوٹائی لیتی ہوئی جاگی تو وہ سستی محسوس کرنے لگی۔ اتنے میں بھائی آیا اور بہن سے بولا:- ”دیکھ بہن اگر تمہیں شہر کے باہر جانا ہو تو شمال مغرب اور مشرق کی طرف جانا لیکن جنوب کی طرف نہ جانا۔“ اب

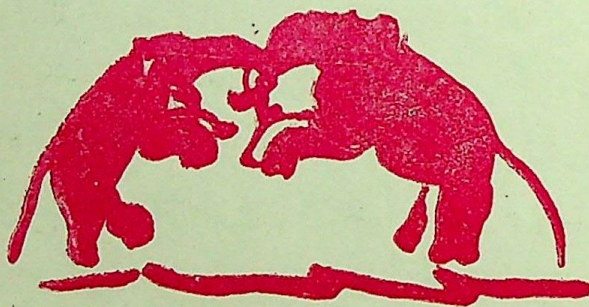
بہن کے دل میں شک پیدا ہوا کہ بھائی نے جنوب کی طرف جانے سے کیوں روکا ہے ؟ وہ یہ جاننا چاہتی تھی - اُس کے لئے جنوب خود ایک سوالیہ نشان بن گیا - وہ اپنی اس خواہش کو روک نہ سکی۔

ایک دن صبح صبح وہ جنوب کی جانب چل ہی پڑی۔ وہاں سانپ کے جوتین ٹکڑے پھینکے گئے تھے - وہ پھولوں کے تین پودے بنے ہوئے تھے - اُن پر خوبصورت دل کش پھول کھلے ہوئے تھے - وہ لڑکی جو ٹھہری - دیکھتے ہی اُس کا دل لپکا اُٹھا - وہ اُنھیں توڑ لائی - اُن پھولوں کو خوشی خوشی اُس نے اپنے بھائی کے بوڑے میں لگا دیا - بوڑھی بوڑے میں لگایا اُس کا بھائی بارہ سڑوں والا ناگ بن کر بھاگ نکلا اور پاس کے ایک بل میں گھس گیا - لڑکی اچنبھے میں آگئی - وہ اکیلی رہ گئی اور رونے لگی - اتنے میں ایک راجکمار گھوڑے پر سوار ہو کر اُس رستے سے آ نکلا - اُس نے روتی ہوئی لڑکی کو دیکھا اور اُس سے رونے کا سبب پوچھا - لڑکی نے سارا حال کہہ سنایا - سارا حال سن کر راجکمار نے کہا - "اے راجکمار تمہارے بھائی کو میں واپس لا دوں گا لیکن شرط یہ ہے - کہ تمہیں میرے ساتھ شادی کرنی ہوگی" بے چاری لڑکی مجبور تھی کرتی کیا ؟ اُس نے راجکمار کی شرط

مان لی ۔

راجکمار نے بہت سے پیروں کو بلایا اور وہ باہمی جس میں بارہ سروں والا ناگ گھس گیا تھا کھدوائی ۔ اُس میں سے ہزاروں سانپ نکلے ۔ لیکن ایک کے سر پر پھول دیکھ کر راجکمار چلا اٹھی کہ یہی میرا بھائی ہے ۔ راجکمار نے پیروں کے ذریعے سانپ کے سر سے پھول نکلوا دیا ۔ جو بھی پھول نکال دیا گیا اُس کا بھائی سامنے کھڑا ہو گیا ۔ بہن سے سارا حال سن کر بھائی کی حیرانی کا ٹھکانا نہ رہا ۔

بعد میں بھائی نے اپنی بہن کا بیاہ اس راجکمار کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے کیا وہ سکھ چین سے رہنے لگے ۔



اودھ کی لوک کہانی

کھاری اُردلا

خدمت کا انعام

کسی نگر میں ایک راجہ راج کرتا تھا۔ اس کی دو نہایت خوبصورت راجکماریاں تھیں۔ اسی نگر میں ایک سادھو ہر روز بھیک مانگنے آیا کرتا تھا۔ دونوں راجکماریاں اُسے بھیک دینے جاتی تھیں۔ سادھو بڑی راجکاری کو تو یہ آشر باد دیتا کہ سدا سہاگن رہو۔ لیکن چھوٹی راجکاری سے کہتا کہ سدا خوش رہو۔ رانی نے جب کئی دنوں تک ایسی بات سنی تو اُنھوں نے سادھو کو بلایا اور اس کا بپ پوچھا۔ سادھو نے کہا:- ”چھوٹی لڑکی کا سہاگ قائم نہیں رہے گا۔ بیاہ کے ایک برس بعد ہی وہ بیوہ ہو جائے گی۔“

یہ سن کر رانی بہت دکھی ہوئی اور اس نے سادھو سے اس کا علاج پوچھا۔ بہت مدت سماجت کے بعد اُس سادھو نے بتایا کہ یہاں سے سات سمندر پار ایک چھوٹا سا ہنزیرہ ہے۔ وہاں ایک نہایت شان دار چمکیلی عمارت ہے۔ جس میں

ایک بڑھیا رہتی ہے۔ اس کے سات بیٹے اور سات بہوئیں ہیں راجکماری وہاں جا کر ایک برس تک بڑھیا کی خوب خدمت کئے جس سے بڑھیا خوش ہو گئی پھر راجکماری اُسے اپنے ملک میں لے آئے۔ اُس کے ہاتھوں سے راجکماری کی مانگ میں سیندرہ لگوانے سے اس کا سہاگ سدا قائم رہے گا۔“

یہ بات سُن کر رانی نے راجہ کو بلوایا اور ساری باتیں راجہ سے کہیں۔ راجہ سوچ میں پڑ گیا کہ راجکماری اس جزیرے تک کس طرح پہنچ سکتی ہے۔ اور وہاں وہ کس ڈھنگ سے رہ کر بڑھیا کی خدمت کرے گی؟ اس زمانے میں سیٹمر وغیرہ تو تھے نہیں جن کے خدیجے راجکماری سات سمندروں کو پار کرتی۔ اس لئے دوسرے دن سادھو جب بھیک مانگنے آیا تو راجہ نے اُسے اپنے محل میں بلوایا اور اس جزیرے تک پہنچنے کی ترکیب پوچھی۔ سادھو نے راجہ کو سات موتی دیئے اور کہا:- ”ہر ایک سمندر میں ایک موتی ڈال دینے سے سمندر میں مکر تک پانی ہو جائے گا۔ اور راجکماری سمندر پار کر لے گی۔“ اس کے بعد سادھو نے اُسے ایک سپاری دی اور کہا:- ”اس سپاری کو مَن میں ڈال لینے سے راجکماری اوجھل ہو جائے گی۔ وہ سب کو دیکھ سکے گی لیکن اُسے کوئی نہ دیکھ سکے گا۔ اس طرح وہ بڑھیا کے مکان میں

اوجھل رہ کر اُس کی خدمت کر سکے گی“ راجہ سادھو سے
 بہت خوش ہوا اور اُس نے اس کی بہت آؤ بھگت کی۔
 اس کے دوسرے دن مبارک گھڑی میں راجہ کماری
 نوکروں کے ساتھ رتھ پر بیٹھ کر جزیرے کی طرف چل
 پڑی۔ بہت دُور چلنے کے بعد اُسے ایک سمندر ملا۔ سمندر
 کے کنارے پہنچ کر وہ رتھ سے اتر پڑی اور اُس
 نے رتھ اور نوکروں کو واپس بھیج دیا۔

اب راجہ کماری نے ایک موتی سمندر میں ڈال دیا ایسا
 کرنے سے خوب زور سے آندھی آئی اور سمندر کا پانی
 آہستہ آہستہ کم ہونے لگا۔ کم ہو کر وہ راجہ کماری کی
 کمرنگ آگیا اور اب آندھی بھی تھم گئی۔ راجہ کماری نے
 بہت آسانی سے سمندر کو پار کیا اسی طرح اُس نے
 ساتوں سمندر پار کر لئے اور وہ اس جزیرے کے
 بالکل نزدیک پہنچ گئی۔ کچھ دُور چلنے کے بعد اُسے ایک
 چمکیلا مکان دکھائی دینے لگا۔ اُسے دیکھ کر وہ نہایت خوش
 ہوئی اور جلد ہی اُس کے قریب پہنچ گئی۔ اُس نے
 سادھو کی دی ہوئی سپاری کو منہ میں رکھ لیا۔ جس
 سے وہ اوجھل ہو گئی۔ اس کے بعد وہ محل میں داخل
 ہوئی۔ وہ محل اندر سے بھی بہت شان دار تھا۔



اس پر راجکماری نے کہا: ”میں چاہتی ہوں کہ میرا سہاگ سدا قائم رہے۔“

پہلے دن تو راجکمار نے کچھ نہیں کیا۔ اُس نے سب کچھ اچھی طرح دیکھ سُن لیا۔ اُس نے دیکھا کہ بڑھیا کی بہوؤں میں کام کرتے وقت بہت لڑائی جھگڑا ہوتا ہے۔ جس سے بڑھیا اُن سب سے بہت ناراض اور دکھی رہتی ہے۔ یہ دیکھ کر راجکمار نے سوچا کہ یہ تو میرے لئے بہت اچھا موقع ہے۔ دوسرے دن سے وہ چھپ کر سب کام ختم کر دیتی اور کسی کو کچھ پتہ بھی نہ لگ سکتا تھا۔ کہ کس نے ایسا کیا۔ بڑھیا کا بھی سارا کام وہ بہت اچھے ڈھنگ سے کر دیتی تھی۔ اس طرح ایک برس تک اُس نے بڑھیا کی خوب خدمت کی۔ آخری دن جب وہ کھانا پکانے لگی۔ تو اُس نے کھیر میں کھانڈ کی جگہ نمک ڈال دیا۔ اور دال اور بھاجی میں کھانڈ ڈال دی۔ اس طرح اُس نے کھانے اُلٹے ڈھنگ سے بنا کر بیروس دیئے۔ جب بڑھیا کھانے بیٹھی تو وہ بہت غصہ میں آئی۔ اُس نے سب سے پوچھا کہ آج کس نے کھانا پکایا ہے؟ ایک سال تک کس نے میری اتنی خدمت کی ہے؟

سب نے کہہ دیا کہ ہم نے ایک سال سے کچھ بھی کام نہیں کیا اور نہ آج ہی کچھ کیا ہے

بڑھیا بہت حیران ہوئی اور اُس نے کہا: ”جو اتنے
دلوں تک میری خدمت کرتا رہا ہو وہ سامنے آجائے
میں اُس سے بہت خوش ہوں۔ وہ جو چاہے مانگ
سکتا ہے۔“

اس پر راج کمار نے مُنہ سے سپاری
نکال لی اور وہ بڑھیا کے سامنے آگئی۔ اُس
نے کہا: ”میں چاہتی ہوں کہ میرا سہاگ سدا قائم
رہے۔“ بڑھیا نے اُسے آشیر باد دیا اور اُس
کی بات کو خوشی سے مان لیا۔ وہ راج کمار
کے ساتھ اُس کے ملک میں گئی۔ وہاں پہنچے پر
سارے ملک میں خوب خوشیاں منائی گئیں۔ بہت
دھوم دھام سے راج نے راج کمار کا
بیاہ کیا۔ بڑھیا نے اس کی مانگ میں سینہ
لگا دیا۔ جس سے وہ سدا کے لئے سہاگن
ہو گئی۔

جس جزیرے میں پہلے بڑھیا رہتی تھی۔
وہاں پہلے اور کوئی نہیں تھا۔ صرف بڑھیا
کا ہی خاندان تھا۔ لیکن بڑھیا راج کمار
اور راج کمار کو اُس جزیرے میں لے گئی

اُس نے اُنہیں ایک خوبصورت محل رہنے کو دیا۔
 چند سالوں میں وہاں بہت سے لوگ رہنے لگے
 اور وہ جزیرہ بہت ترقی کر گیا۔



اس کتاب کے لکھنے والے

مبارک علی۔

ہندی کے ایک ہونہار مسلم مصنف ہیں۔ آپ کی زبان بامعاورہ ہے اور طرز سادہ ہے۔ آپ بچوں کے ادب میں خاص لمپی رکھتے ہیں۔

سادتری دیوی ورما۔

بچوں کی نفسیات پر آپ کا مکتبہ (دو تین جلد) کتاب آپ کی تصنیف ہے۔ بچوں کے ادب میں لکھا بھارتی، جنگلی جیوتی، فشکسیئر کہانیاں، لکھا کہانی، بال پتھ منتر، اور آرت پویش کی نوک لکھائیں، وغیرہ چھپ چکی ہیں۔ کھانوں پر ایک کتاب ۱۰۰ صفحے کی چھپنے والی ہے۔ گھریلو مسئلوں پر بھی آپ نے کافی لکھا ہے۔ عورتوں کی غرضورتی پر آپ کے کئی مضمون چھپ چکے ہیں۔ آپ ہندی کے ہونہار مصنف ہیں۔ آپ کی کئی ایک کہانیاں "بال بھارتی" میں چھپ چکی ہیں اس وقت آپ بھارت سرکار کے "پریس انفارمیشن براج" میں کام کر رہے ہیں۔

رام چندر مشرا

بال بھارتی کے سابق ایڈیٹر۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جس میں لگ بھگ ایک درجن ناول ہیں۔ بچوں کے ادب میں یہ کتابیں چھپ چکی ہیں۔ (۱) فرانس کی لوک کہانیاں (۲) بنگال کی

سن متھ ناتھ گیت

لوک کھائیں - (۳) آدمی کا جنم

آپ ہندی کی ایک مشہور لکھنے والی ہیں۔ آپ کو 'ساہتیہ درشن' نامی کتاب پر بھارت سرکار سے انعام ملا ہے۔ آپ کی دیگر کتابیں 'دشو کی ہسان ہلا میں'، 'مہا دیوی ورما' وغیرہ ہیں۔ آپ ہندی کی مشہور افسانہ نویس ہیں۔ آپ ساہتیہ سمیلن سے انعام پا چکی ہیں۔ آپ کی کئی محبوبے چھپ چکے ہیں۔

پتھی رانی گروٹو

چندر کرن سونی رکسا

آپ ہندی کے ہونہار مصنف ہیں۔

دیرینہ رگو پال

ہندی کے ایک پڑانے اور معروف مسلم مصنف ہیں۔ آپ کی طرز بہت ہی پختہ اور زبان بامعاورہ ہوتی ہے۔ 'بال بھارتی' میں آپ کے کئی ایک مضامین چھپ چکے ہیں۔

ظہور بخش

آپ ہندی کے ایک مشہور افسانہ نویس ہیں۔

بھیشم ساہنی

آپ ہندی کے ہونہار مصنف ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو کے دلی اسٹیشن پر بہت دنوں تک 'سکول بوائز پروگرام' کے انچارج رہے ہیں۔ ایک ہندی لکھنے والے

ید ہشتر طکار

راجستھان کے ایک ہونہار مصنف ہیں۔

بھگوان چندر گپت

اکتے چندر شرما

ہندی کی ایک ہونہار لکھنے والی ہیں۔ آپ بچوں کے ادب میں خاص دل چسپی رکھتی ہیں۔

شو بنیا ہمتہ

ہندی کے ہونہار مصنف ہیں۔ بچوں کے ادب میں آپ کی یہ کتابیں چھپ چکی ہیں۔ 'کشمیر کی لوک کہائیں'، 'دیر بالک' بچوں کے

نند لال چٹا

ایک ایکٹ کے ڈراموں کا مجموعہ (رام راجیہ کے پتھر پر)۔
ہندی کی ہونہار مصنف ہیں۔ آپ دلی کی ایک مشہور اور کامیاب
وکیل خاتون ہیں۔

شانتی گپتا

آر دو ہندی کے کامیاب مصنف - پریم چند جی پر آپ کی ایک
کتاب چھپ چکی ہے۔ آپ کے کئی ایک ناول اور کہانیوں کے
مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں۔

ہنس راج رہبر

آپ کی زبان تامل ہے۔ لیکن ہندی سے آپ کو بہت لگاؤ ہے۔
آپ بچوں کے ادب میں خاص دل چسپی رکھتے ہیں۔ 'بال بھارتی'
میں آپ کے کئی ایک مضامین چھپ چکے ہیں۔

ٹی، این، ایس سیتارامن

سنسکرت کے ایک عالی رتبہ مصنف ہیں، عالم ہیں اور ہندی ساہتیہ
سمیٹن کے پُرانے کارکن ہیں۔ آپ نے سنسکرت کی کئی ایک کتابوں کا ہندی
میں کامیاب ترجمہ کیا ہے۔

پچولاوشنو

آپ کی مادری زبان تیلگو ہے۔ ہندی میں بھی آپ نے لکھنا شروع
کیا ہے۔ آپ ایک ہریجن کارکن بھی ہیں۔
'بال بھارتی' میں لکھنے والی ایک بچی

ار ملا گماری

F 12





13
GURUKULA KANGRI UNIVERSITY,
HARDWAR.

This book is due on the date last stamped. An over-due charge of one anna will be charged for each day the book is kept over time.

29 DEC 1962

4 39 2

14 SEP 1964

26018

2061 UVN

4 MAR 1966

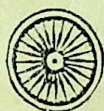
A152/36Myl

5000-2-58.

Entered in Database

9
Signature with Date

पुस्तकालय, गुरुकुल कांगड़ी विश्वविद्यालय,
हरिद्वार।



پبلیکیشن: ڈوئٹرن
نٹری آف انفارمیشن اینڈ براد کاسٹنگ
اولڈ سیکرٹریٹ دہلی ۸

The Eastern Printing Press, Nicholson Road, Delhi.



